کشمیر میں سامراجی سازش

کشمیر میں سامراجی سازش

غلام محمد میر
و
منوہر ناتھ کول

سماجی اور سیاسی تعلیمی حلقہ
امیراکدل سرینگر

مارچ ۱۹۵۴ء

تعداد ۵۰۰

قیمت ۸؍

یونین پرنٹنگ پریس۔ دہلی

فہرست مضامین

تمہید

وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے ۲۳ر دسمبر کو پارلیمنٹ میں جو بیان دیا اُس میں انھوں نے ہندوستان اور ایشیا کے لئے، امریکہ اور پاکستان کے فوجی معاہدے کی اہمیت کے متعلق بالکل صحیح رائے ظاہر کی ہے۔ پنڈت جی نے اپنے بیان میں یہ کہا ہے کہ اس سے ایشیا میں موجودہ طاقتوں کا توازن بگڑ جائے گا۔ ایشیائی عوام کی تحریکِ آزادی کو دھچکا لگے گا اور "اعصابی جنگ" ہند کی سرحدوں پر پہنچ جائے گی نیز اس سے امن کی اُمید کم ہو جائے گی۔

مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا کے اسلامی ممالک میں مجوزہ معاہدہ کا جو ردعمل ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِن ممالک نے پاکستان اور امریکہ کے درمیان ہونے والے فوجی اور جنگی معاہدہ کو عام طور سے تشویش کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے خطرناک نتائج پیدا ہونگے۔ حتیٰ کہ خود پاکستان میں بھی اس کے خلاف احتجاج ہوا ہے۔ کشمیر کے لوگوں کے لئے یہ مسئلہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک امریکہ کے دیوانے جنگ پرستوں اور پاکستان کے خود غرض رجعت پسند حکمران حلقوں کے درمیان ناپاک اتحاد کا شکار ہو۔

کشمیر میں سامراجی مداخلت ایک پرانی داستان ہے۔ یہ مداخلت جو

اب کھلی اور عریاں صورت اختیار کرتی جارہی ہے ہماری قومی تحریک کے لئے خطرناک نتائج کی حامل ہے۔ یہ سازش کتنی گہری ہے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اگست ۱۹۵۳ء کے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں اور ان پر سوچ بچار کرتے ہیں۔ گزشتہ سال جب شیخ عبداللہ کو برطرف کیا گیا تو کچھ لوگوں کو اس بات کا یقین نہ ہوا کہ وہ اُس سازش میں شریک تھا جس کا مقصد "خود مختار" کشمیر کو اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ کا لبادہ اوڑھ کر بیرونی اڈہ بنانا تھا۔ اس لئے ریاست میں گزشتہ سات سال سے جو بیرونی مداخلت ہوتی رہی ہے۔ اُس کے طریقہ کار اور مقاصد کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ سابقہ رہنماؤں کی اُس غداری کو بے نقاب کریں جو اُنھوں نے قومی مفاد کے ساتھ کی۔ ہم امریکہ اور پاکستان کے فوجی معاہدے اور شیطانی منصوبوں کو چکنا چور کر اور اپنے اتحاد اور قربانیوں سے اسی طرح ختم کر سکتے ہیں جس طرح کہ ہم نے گزشتہ سال کشمیر کو بیرونی ممالک کے ایما پر "خود مختار" بنانے کی سازش کو ختم کیا تھا۔ ہمارا مقصد اُن حالات کے پسِ منظر کا جائزہ لینا ہے۔ جن کی وجہ سے شیخ عبداللہ سے اقتدار چھن گیا۔

پس منظر

کشمیر کی فوجی اور جغرافیائی پوزیشن اس کی سب سے بڑی بدقسمتی رہی ہے۔ یہی اس کی مادی اور کلچرل ترقی کی رکاوٹ کا باعث بنی ہے۔ اسی وجہ سے اس پر بیرونی حملے ہوتے رہے ہیں۔ حال کے پُرامن زمانہ میں بھی یہ ملک بیرونی سازشوں کا اڈا بنا رہا۔ یہ سازشیں اس کی معاشی اور سیاسی زندگی کے صحت مند ارتقا میں حائل ہوئیں۔ اس کتاب کا یہ منشا نہیں کہ ان بیرونی حملوں اور اندرونی سازشوں کی نوعیت اور نتائج کے بارہ میں ایک تاریخی ریویو پیش کرے ہمیں تو حالیہ واقعات پر بحث کرنا ہے۔ جنھوں نے دنیا بھر کے لوگوں کے دلوں میں متعدد سوالات پیدا کر دیئے ہیں۔

۱۹۳۱ء سے شیخ عبداللہ اس ملک کے لوگوں کی معاشی اور سیاسی آزادی کی قومی تحریک کی رہنمائی کرتا آیا۔ ۱۹۳۴ء سے اس نے اپنے آپ کو اور اُس جماعت کو نئی دہلی کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے خاص اثرات سے آزاد کیا جس کی وہ نمایندگی کرتا تھا۔ ریاستوں کی جمہوری تحریک کا درحقیقت قومی جمہوری تحریک کے ساتھ گہرا تعلق تھا لیکن یہ محکمہ ان تحریکوں کو غلط راستے پر ڈال کر انھیں آگے بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا۔

۱۹۳۹ء میں شیخ عبداللہ کی رہنمائی میں نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ اس تنظیم نے ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی جمہوری حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کی شاندار روایات قائم کیں۔ ۱۹۴۴ء میں "نیا کشمیر" کا پروگرام اختیار کرنا۔ ۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک چلانا۔ ۱۹۴۷-۴۸ء میں پاکستانی اور قبائلی حملہ آوروں کی مزاحمت کرنا — یہ کشمیر

کی قومی تحریک کے روشن واقعات ہیں۔

شیخ عبداللہ کی رہنمائی میں ان تمام کارناموں میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے اس کو "شیر کشمیر" کا خطاب دیا گیا۔ ریاست اور ہندوستان بھر میں لاکھوں انسانوں کی نظریں رہنمائی کے لئے اُس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ نیشنل کانفرنس کے موجودہ رہنماؤں اور قومی جماعت کے عام کارکنوں نے شیخ عبداللہ میں اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

شیخ عبداللہ کی مقبولیت کی بُنیاد اُس کے جمہوری نظریہ۔ سامراج دشمنی اور جاگیرشاہی کے خلاف مردانہ وار جدوجہد پر تھی۔ ان باتوں میں وہ کشمیر کے پسماندہ عوام کی خواہشات کا صحیح نمائندہ بن گیا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد جب اُس نے عنانِ حکومت سنبھالی تو وہ بتدریج عوام کے ساتھ اپنے رشتوں کو بھول گیا۔ اور اُس میں آمرانہ رجحانات پیدا ہونے لگے۔ بدیشیوں کے ساتھ اُس کے تعلقات نے اُس کا توازن بگاڑ دیا۔ اور وہ اپنی سامراج دشمن روایات کو بھول کر امریکہ کے جنگی اور سیاسی منصوبوں کا مقامی آلۂ کار بننے لگا۔ شیخ عبداللہ کا جمہوری آدرشوں سے فرار اسی وقت سے شروع ہوا۔ جب اُس نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ چنانچہ وہ اقتدار کو عوام کے فائدہ کے لئے استعمال نہ کر سکا عوام کا اس پر سے اعتماد اُٹھ گیا۔ اور اُس نے عوام کے فرقہ وارانہ اور مذہبی جذبات کو بھڑکا کر وقت کے دھارے کو موڑنا چاہا۔ اس طرح سے وہ ان سیاسی مہم پسندوں کے چنگل میں پھنسا۔ جنھوں نے اس کو ایک ایسے "خود مختار" کشمیر کے فریب کا شکار بنایا۔ جس کی حمایت امریکہ فوجی اور معاشی لحاظ سے کرتا۔

نیشنل کانفرنس کی عظیم روایات اور اصولوں کو ترک کرنے کی وجہ سے

شیخ عبداللہ اپنے ساتھیوں اور کارکنوں سے علیحدہ ہوا۔ نتیجہ کے طور پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا جواب اس کتاب میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ شیخ عبداللہ نے اس اعتماد کے ساتھ جو لوگوں نے اُس میں ظاہر کیا تھا کس طرح غداری کی؟ کیا بدیشی اثرات اس نے قبول کیے؟ اگر ایسا ہے تو ان کا طریقۂ کار کیا تھا؟ کیا ابتدا ہی سے "خود مختار" کشمیر کی تصویر شیخ کے ذہن میں موجود تھی؟ اور اس پالیسی کے کیا نتائج نکل سکتے تھے؟ اپنے مقاصد کی تکمیل کی خاطر شیخ کون سی چالیں چلا؟ اپریل ۵۳ء اور اگست ۵۳ء کے درمیان وہ کون سے سیاسی حالات تھے جن کی وجہ سے وہ اُس راہ سے ہٹ گیا جس پر کہ وہ گزشتہ بیس سال سے چل رہا تھا؟

ان سوالات کا جواب دینے کے لئے ہم نے واقعات پر مبنی ایک اچھی خاصی اور قابلِ اعتبار شہادت پیش کی ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت کے پاس بدیشیوں کی پالیسی اور سرگرمیوں کے بارہ میں اس سے بھی زیادہ قابلِ اعتبار شہادت موجود ہوگی۔ جو کہ اسے دیگر ذرائع سے حاصل ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے ہمیں یہ شہادت دستیاب نہیں ہوئی۔ بین الاقوامی تعلقات سے متعلق ایسے چند رواج ہیں جن کے بموجب اس قسم کی اطلاعات کو عوام تک نہیں پہنچایا جا سکتا اور وہ بھی جب کہ اس کا تعلق ایک دوست ملک کے ساتھ ہو۔ اس مشکل کے باوجود ہم نے کشمیر کے حالیہ واقعات سے متعلق ایک حقیقت پر مبنی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا مقصد سابقہ رہنماؤں یا بدیشی طاقتوں کو بدنام کرنا نہیں۔ بلکہ عوام کو اُن خطرات سے آگاہ کرنا ہے جو کہ ملک کو درپیش ہیں۔

اینگلو امریکی طاقتوں نے کشمیر کو اپنے جنگی منصوبوں یا سیاسی پالیسیوں کی خاطر اپنے براہ راست قبضہ یا بالواسطہ اثر میں رکھنے کے لئے کئی قسم کے

طریقہ ہائے کار اختیار کیے۔ ان منصوبوں کو ہند اور کشمیر کی جمہوری قوتوں نے یکے بعد دیگرے شکست دی۔ اینگلو امریکی بلاک کا انتہا پسند عنصر سارے جنوب مشرقی ایشیا، خاص کر ہند اور پاکستان، کو اپنی خارجی پالیسی اور جنگی تیاریوں کے ساتھ وابستہ کرنے کے لیے، ان پر ہر قسم کا اندرونی اور بیرونی دباؤ ڈالتا رہا ہے۔ بین الاقوامی قوتوں کی اس صف بندی میں کشمیر کی جغرافیائی حیثیت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مختلف طاقتوں کے گروہوں کے ساتھ ہند کے صف آرا نہ ہونے اور سب کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی پالیسی کو "اعصابی جنگ" کے ماہرین سخت ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ عوام کے حقوق یا قومی خود اختیاری یا کشمیریوں کی اندرونی ترقی وغیرہ کا خیال رکھتے ہوئے کشمیر کا جھگڑا طے کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ بلکہ یہ سب پروپیگنڈے کے ہتھیار ہیں۔ جنھیں وہ اپنے مکروہ مقاصد پر پردہ ڈالنے کے لیے وقتاً فوقتاً استعمال کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کشمیر کے جھگڑے کے بارے میں ہمیشہ یہی کہیں گے کہ "وہ صادق دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کشمیر کی حیثیت کا سوال ایک ایسی بنیاد پر حل ہو جائے، جو دونوں فریقین ــــ ہند اور پاکستان کو منظور ہے جن کا کہ اس جھگڑے کے ساتھ براہ راست تعلق ہے"۔ وہ کشمیری عوام کی خواہشات کا بھی کبھی کبھی ذکر کر دیا کرتے ہیں۔
بہر حال حسب ذیل صفحات ان کے اس طریقہ کار کو ظاہر کریں گے جو وہ کشمیر کو اپنے براہ راست قبضہ یا بالواسطہ اثر میں لانے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ ان کے یہ طریقہ ہائے کار جو وقتاً فوقتاً ظہور میں آتے رہے ہیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) مہاراجہ کے زیر سایہ ایک "خود مختار" جموں و کشمیر کی ریاست قائم

کرنا۔ جوکہ دونوں ہند اور پاکستان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کرے جس کی ضامن شاید برطانوی دولت مشترکہ ہو۔

(۲) ریاست کو فرقہ وارانہ لائینوں پر تقسیم کرنے کے لیئے پاکستانی فوجوں اور سرحد کے لیٹرے قبائلیوں کو ریاست میں خاص کر وادیٔ کشمیر۔ گلگت کے شمالی علاقے اور پونچھ کے مغربی علاقے اور جموں میں میرپور پر قبضہ جمانے کی خاطر اُکسانا۔

(۳) مجلس اقوام متحدہ کی مداخلت کے ذریعہ ریاست کو تقسیم کرنے کی خاطر دباؤ ڈالنا۔ جیساکہ سر اووِن ڈکسن کی تجویز سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ساری ریاست یا اس کے کسی حصہ جیسے وادیٔ کشمیر کو پانچ یا دس سال کے لیئے مجلس اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ کے تحت رکھنا۔

(۴) ریاست کو فرقہ وارانہ یا جنگی اہمیت کی لائینوں پر تقسیم کرنے کی خاطر جموں اور کشمیر کے صوبوں میں فرقہ پرست عناصر کی حوصلہ افزائی کرکے ایک اندرونی بحران پیدا کرنا۔

(۵) ساری ریاست یا اس کے اہم حصوں کے لیئے جیسے وادیٔ کشمیر کو خودمختار رکھنے اور ماںقی علاقوں کو ہند اور پاکستان میں مدغم کرنے کی تحریک کی حوصلہ افزائی کرکے اندرونی بحران کو تیز کرنا۔

(۶) ریاست سے فوجوں کے اخراج اور اس کے بعد ناظم رائے شماری کے تحت جوکہ مجلس اقوام متحدہ کا نمایندہ ہوگا ساری ریاست میں رائے شماری کا انتظام کرنا۔

ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ شیخ عبداللہ اور اس کے چند پیروؤں نے کس طرح "خودمختار" کشمیر کے منصوبہ کو بیرونی امداد اور مشورہ سے بروئے عمل

لانے کی خاطر اشتراکِ عمل کیا۔ ہم یہ بھی دکھائیں گے کہ کس طرح کشمیر میں مقیم غیر ملکی ایجنٹ بھی انہی مقاصد کی تکمیل کی خاطر کام کرتے رہے ہیں۔

"خودمختار" کشمیر کی اصلیت

"خود مختار" کشمیر کا نظریہ دراصل بیرونی اختراع ہے۔ جب عہد نامہ امرتسر (۱۸۴۶ء) کی رو سے جموں کے راجہ گلاب سنگھ کے تحت ریاست جموں و کشمیر قائم کی گئی۔ اُس وقت ہندوستان کی برطانوی حکومت کا یہ خیال تھا کہ اس ریاست کو ایک "خود مختار" ریاست کا درجہ دیا جائے۔ تاکہ یہ اُس وقت تک ایک فاصل مملکت (BUFFER STATE) بنی رہے جب تک کہ تازہ حاصل شدہ پنجاب کا صوبہ مکمل طور پر مطیع نہ ہو جائے۔ اور افغانستان کو برطانوی دائرہ اثر میں نہ لایا جا سکے۔ ریاست جموں و کشمیر کی سرحدوں سے انگریزی۔ روسی اور چینی سلطنتوں کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اسی لئے فوجی اور جنگی لحاظ سے ریاست تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اگرچہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُس کے جانشین وسط ایشیا میں انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق تاج برطانیہ کے "خود مختار" جاگیرداروں کی حیثیت سے عمل پیرا رہے۔ لیکن پھر بھی اقتدارِ اعلیٰ کے بتدریج حاوی ہونے کی پالیسی سے ریاست انگریزوں کی مکمل طور پر محکوم ہو گئی۔ ۱۸۸۹ء سے کشمیر کے ریزیڈنٹ اور گلگت کے پولیٹیکل ایجنٹ عملی طور پر ریاست کی پالیسی کو مرتب کرنے لگے۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہدِ حکومت کی ابتدا میں بظاہر اُس کو انگریزوں کے خلاف زارِ روس کے ساتھ سازش کرنے کے الزام میں گدی سے اُتارنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اصلی مقصد ریاست کے معاملات پر براہِ راست کنٹرول

قائم کرنا تھا۔ لیکن جب کلکتہ کے اخبار امرت بازار تپریکا نے اس سازش کو بے نقاب کیا اور برطانوی پارلیمنٹ میں بھی اس کے خلاف آواز بلند ہوئی تو برطانوی حکام نے بالواسطہ کنٹرول رکھنے کا طریقہ اختیار کیا اور سرحدی علاقوں پر اپنا تسلط مکمل طور پر جمالیا۔ ۱۸۹۵ء تک چترال۔ ہونزا اور نگر کے دور دراز شمالی علاقے مکمل طور پر انگریزوں کے قبضہ میں آچکے تھے ۱۹۳۵ء میں گلگت کو ساٹھ سال کے لئے مہاراجہ سے رسمی طور پر پٹہ پر حاصل کیا گیا۔ اور اس طرح اسے براہ راست اپنے کنٹرول میں لیا گیا۔ لہذا تاج برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کے تحت جاگیرشاہی کے زمانہ میں بھی "خود مختار" حیثیت کا جو حشر ہوا اُس پر تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مہاراجہ نے ۴۶-۱۹۴۷ء میں "خود مختاری" کے لئے ایک نیا داؤں چلا۔

۱۹۴۶ء کی برطانوی کابینہ کی تجاویز کے مطابق دیسی ریاستوں پر برطانوی اقتدار اعلیٰ ختم ہوگیا۔ اور انھیں خود مختار حیثیت حاصل ہوگئی۔ نیز انھیں مجوزہ ہند یونین کے ساتھ اپنے رشتوں کو معین کرنے کا بھی حق حاصل ہوگیا۔ ۱۹۴۷ء کے انڈین انڈپنڈنس ایکٹ کے تحت جس کے مطابق ہند اور پاکستان کی دو علیحدہ مملکتیں قائم ہوئیں۔ دیسی ریاستوں کو متذکرہ بالا حیثیت حاصل ہوئی۔ حالانکہ والیانِ ریاست کے سامنے ہند اور پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا معقول راستہ تھا۔ لیکن پھر بھی کچھ راجوں نے پُرانے غیر ملکی اثرات کے تحت "خود مختار" رہنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کئے۔ مہاراجہ کشمیر نے نواب بھوپال کے ساتھ اشتراک عمل کرکے ایسے "خود مختار" کشمیر کے لئے کام کرنا شروع کیا جس کے دونوں مملکتوں کے ساتھ دوستانہ معاہدے ہوں۔ اِس میں جناح صاحب کی دعائیں اُن کے شامل حال تھیں۔ اس پالیسی کو چلانے

والے، ریاست کے سابقہ کشمیری وزیر اعظم مسٹر آر۔ سی۔ کاک، ریاست میں برطانوی ریزیڈنٹ کرنل ویب۔ مہاراجہ کا فوجی مشیر میجر جنرل اسکاٹ اور انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر پاول تھے۔ جنہوں نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے دوران میں کشمیری عوام پر دردناک مظالم ڈھائے۔

مہاراجہ "خود مختار" کشمیر کے بارے میں کس سنجیدگی سے سوچتا تھا وہ اُس چٹھی کے حسب ذیل اقتباس سے ظاہر ہوگا جو اُس نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ لوئی مونٹ بیٹن کو ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لکھی!۔

"حضور والا کو علم ہے کہ ریاست جموں و کشمیر نے ہند اور پاکستان دونوں مملکتوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق نہیں کیا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست کی سرحدیں دونوں سے ملتی ہیں۔ اس کے دونوں کے ساتھ اہم معاشی اور کلچرل رشتے ہیں۔ نیز میری ریاست کی سوویٹ روس اور چین کے ساتھ مشترکہ سرحد ہے۔ چنانچہ متذکرہ بالا واقعہ کو ہند اور پاکستان اپنے تعلقات میں نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کرنے کے لیے وقت چاہتا تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ آیا دونوں مملکتوں اور میری ریاست کے لیے یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم خود مختار رہیں۔ اس صورت میں بے شک اُس کے دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہوں گے۔"

اب یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ "خود مختار" رہنے کے ان منصوبوں کو بیرونی اثرات ہوا دے رہے تھے۔ حیدرآباد، کشمیر، ٹراونکور اور بھوپال کے مہاراجے ان منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کرنے لگے۔ تاہم ہند اور برطانیہ میں عام طور پر عقلمندی سے کام لیا گیا۔ نظام حیدرآباد اور مہاراجہ کشمیر کی اسکیمیں تلخ حقائق کے سامنے ٹھہر نہ سکیں اور ناکام رہیں۔

تاہم حالات کی رفتار اس قدر تیز تھی اور تقسیم ہند نے اس سرعت کے ساتھ تباہ کن قوتوں کو بے لگام کیا کہ برطانوی حکومت کو کشمیر سے متعلق منصوبوں میں سازش اور سیاسی چالبازیوں سے کامیابی حاصل کرنے کا وقت نہیں ملا۔ اس طرح مہاراجہ اور انگریزوں کا گٹھ جوڑ عملاً ختم ہو گیا۔ مزید براں "خود مختار" رہنے کی تجویز کے خلاف عوام کا ردعمل اس قدر شاید تھا کہ سامراجیوں کو اپنی چالیں بدلنا پڑیں۔ بدیشی سازشوں کا دائرہ عمل شمال مغربی سرحدی صوبہ اور مغربی پنجاب میں منتقل ہوا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے شمال مغربی سرحدی صوبہ اور قبائیلی علاقہ کے خان بہادر قلی خاں اور خورشید انور قسم کے سرکردہ برطانوی ایجنٹ کشمیر کو برق رفتار حملے سے فتح کرنے کی خاطر مسلح گروہوں کو منظم اور مسلح کرنے میں مصروف تھے۔ اسی دوران میں کشمیر میں زبردست عوامی جلوس اور جلسے ہوئے اور اس کی وجہ سے مہاراجہ نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں کو رہا کرنے پر مجبور ہوا۔ اس طرح سے برطانوی منصوبوں کو دھچکا لگا۔ اب انھوں نے جنگی لحاظ سے اس اہم علاقہ پر مہاراجہ کی برائے نام حکومت کے تحت بالواسطہ کنٹرول قائم رکھنے کا خیال ترک کر دیا۔ بلکہ پاکستان کو کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے اکسایا۔ کیوں کہ اس بات میں ریاست جموں و کشمیر کو فرقہ وارانہ یا جغرافیائی لائینوں پر تقسیم کرنے کا راز مضمر تھا۔ اس غیر یقینی میعاد کے دوران میں یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک (اس دن پاکستان نے کشمیر پر حملہ کیا تھا) نیشنل کانفرنس مجموعی طور پر ہند کے ساتھ رسمی طور پر الحاق کر کے جمہوری تعلقات قائم کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اس کی ان کوششوں کو مہاراجہ کی پالیسی اور سیاسی چالوں سے دھکا لگ رہا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ عبداللہ اپنے سیاسی رویہ کے

بارے میں مذبذب تھا۔ حالات نے اُس کو ہند سے امداد طلب کرنے پر مجبور کیا۔ اُس کے ذہن میں "خود مختار" رہنے کا خیال جاگزیں ہو چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت اُسے ہند کی امداد کے بغیر نجات کی کوئی اور راہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ امر اُس کی مئی سے جولائی ۱۹۵۳ء تک کی تقریروں کے دوران میں اُس کے اپنے اُس بیان کے دوہرانے سے مترشح ہے جو اُس نے ۱۹۴۷ء کی ابتدا میں دیا تھا۔ چنانچہ اُس نے اُس وقت کہا تھا" ہمیں پہلے مطلق العنانیت سے اندرونی آزادی حاصل کرنی چاہیئے اور تب ہی ہم ہند یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے یا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں گے"۔ نازک مواقع پر شیخ عبداللہ کے عمل اور تصورات میں کافی حد تک اُلجھن پائی گئی ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اُس مرحلہ پر اُس کے سامنے 'خود مختاری' کا کوئی خاص تصور تھا۔ یا اِس کے حصول کی خاطر اُس کے سامنے کوئی واضح منصوبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ شیخ عبداللہ بیک وقت کئی کشتیوں پر سوار تھا یعنی :- (۱) ہند کے ساتھ الحاق (۲) پاکستان کے ساتھ الحاق (۳) مہاراجہ کی "خود مختاری" کے ساتھ اشتراک یا (۴) مہاراجہ کی مطلق العنانیت کے سوا کوئی اور راستہ۔ ہند اور کشمیر کی جمہوری قوتوں کے دباؤ اور پاکستان کے غاصبانہ حملہ سے مہاراجہ کے "خود مختاری" کے منصوبے اور شیخ عبداللہ کا تذبذب اور الجھنیں ختم ہوئیں۔

کشمیر پر حملہ

یہ ناپاک اثرات تقسیم ہند سے قبل بھی کام کر رہے تھے۔ انگریز کشمیر کو قبائلیوں (جن کی امداد پاکستان کی باضابطہ فوجیں کرتی تھیں اور جنھیں پاکستان

اسلحہ بھی مہیا کرنا تھا) کے حملے کے ذریعہ ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ صوبہ سرحد اور پنجاب کے انگریز گورنر سر جارج کننگھم اور سر فرانسس مودی ہند کی سیاسی تبدیلیوں کی اہمیت سے نابلد رہے ہوں تو ہوں۔ لیکن وہ کسی بھی صورت میں پٹھان قبائلیوں اور پاکستان کی باضابطہ فوجوں کے کشمیر پر حملہ کرنے کی خاطر جتھہ بند اور مسلح ہونے اور ان کی نقل و حرکت سے ناواقف نہیں تھے۔ ان حالات پر اُس چٹھی سے کافی روشنی پڑتی ہے جو حملہ سے چند دن بیشتر سر جارج کننگھم نے اُس وقت کے ہندوستان کے کمانڈر انچیف سر رابرٹ لوکہارٹ کو لکھی تھی۔ اس چٹھی کے چند اقتباسات ہند کی وزارت خارجہ نے ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء کو ایک پریس نوٹ میں شائع کئے ہیں:۔

"سر جارج کننگھم کی راب لوکہارٹ کو لکھی گئی یہ چٹھی ذاتی نوعیت کی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ اِس پریشانی کے دنوں میں جب کشمیر کی قسمت ڈانواڈول تھی یہ واقعہ یاد نہ رکھا گیا۔"

"اِس چٹھی میں لکھا گیا تھا کہ سر جارج کننگھم نے قبائیلی حملہ سے متعلق وارننگ دی تھی اور یہ کہ صوبہ سرحد کی حکومت کے اراکین اس سلسلہ میں قبائیلیوں کی عملی طور پر امداد کر رہے تھے۔"

"اس چٹھی میں مندرج خبر کشمیر پر ہونے والے حملہ کے بارے میں پہلی معتبر اطلاع تھی...... کچھ دیر بعد ہی کشمیر پر حقیقی حملے کی خبر آئی۔"

"گزشتہ واقعات پر سوچتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ اس چٹھی کو محفوظ نہیں رکھا گیا۔"

اس کتاب کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کشمیر پر قبائلیوں اور پاکستانی حملہ میں غیر ملکیوں کی امداد اور خفیہ حمایت کی جانچ پڑتال کی جائے۔ غیر ملکی نامہ نگاروں

ے مراسلات کے مضامین اور لہجے سے صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ کس طرح برطانوی اور امریکی اخباروں میں حملہ آوروں کو آزادی کے مجاہدوں کے نام سے اُچھالا گیا۔ اِس سلسلہ میں لنڈن کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کے نامہ نگار ڈوگلس براؤن اور نیویارک کے اخبار ہیرلڈ ٹریبیون کے نامہ نگار مارگریٹ پارکٹن کے مضامین پر کوئی رائے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اِن دلوں کے ڈیلی میل، ڈیلی ایکسپرس اور دیگر۔ برطانوی اخبارات کے کالم بدیشی رویہ پر اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ حتیٰ کہ لنڈن ٹائمز جیسے ذمہ دار اخبار نے بھی گلگت سکاؤٹس کے برطانوی کمانڈر میجر براؤن کے گلگت پر قبضہ جمانے کو سراہا۔ کشمیر پر قبائیلی اور پاکستانی حملہ سے متعلق غیر ملکی نامہ نگاروں کے اِن تمام جانبدارانہ رپورٹوں کا مواد پاکستان میں برطانیہ کے فوجی اور سول حکام مہیا کرتے تھے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پاکستانی فوجی کارروائی میں ایک امریکی رسل ہیٹ نے نمایاں حصہ لیا۔ ڈینور۔ کلورڈا۔ امریکہ کے رہنے والے اس ۳۶ سالہ سابقہ فوجی سارجنٹ نے پونچھ اور کوٹلی کے علاقوں میں قبائلیوں کو منظم کیا۔ جس وقت کشمیر پر حملہ ہوا تو یہ افغانستان کی سرحدوں پر انجینیروں کی ایک ٹولی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ اس کو "آزاد" کشمیر فوج میں بریگیڈیر جنرل بنایا گیا۔ اور اس نے کئی فوجی کارروائیوں کی رہنمائی کی۔ فروری ۱۹۵۰ء میں سلامتی کونسل میں ہند کے نمایندہ مسٹر بی۔ این۔ راؤ نے اس کی دہشت انگیز سرگرمیوں کے متعلق کہا:-

"مجھے کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستان چاہے تو وہ امریکہ سے اُن تمام نقصانات کی تلافی کا دعویٰ کر سکتا ہے جو ہیٹ کی کارروائیوں سے واقع ہوئے۔ ہندوستان یہ دعویٰ صرف اس لئے ہی نہیں کر سکتا کہ اُس نے جانی نقصان پہنچایا۔ بلکہ

اس لئے بھی کہ اُن کے "آزاد" فوج کو منظم کرنے کی وجہ سے ہی ہمیں اپنی فوجی کارروائیوں پر کافی اخراجات برداشت کرنے پڑے۔"

کشمیری عوام قبائیلی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے نیشنل کانفرنس کے اِردگرد بڑی مستعدی سے منظم ہوئے۔ ہند فوج اور ہوائی دستوں نے قبائیلی لٹیروں کو وادیِ کشمیر سے نکال باہر کرنے میں جو کارنامے انجام دیئے وہ آزادی پسند کشمیریوں کے دلوں پر ہمیشہ نقش بن کر رہیں گے۔ اور اس طرح سامراجی طاقتوں کی دوسری چال بھی ناکام ہو کر رہی جس کی رو سے وہ پاکستان کے ذریعہ کشمیر پر اپنا بالواسطہ کنٹرول قائم کرنا اور اسے اپنی سیاسی چالوں اور جنگی مقاصد کی خاطر استعمال کرنا چاہتے تھے۔

مجلس اقوام متحدہ

۱۹۴۷ء

بقول ایلن کیمپبل جانسن (مشن وِتھ مونٹ بیٹن صفحات ۵۲-۲۵۱) کے خاتمہ پر ہند اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی کانفرنس میں جو لمبی اور گرما گرم بحث ہوئی اُس سے "مونٹ بیٹن کو اس بات کا یقین ہوا۔ کہ سیاسی تعطل اس قدر شدید ہے کہ سخت بیرونی اور اندرونی سیاسی دباؤ کے پیش نظر اس کو ایک ایسی تیسری پارٹی کے بغیر جس کو دونوں تسلیم کرتے ہوں اور جس کا بین الاقوامی اثر ہو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پیشتر مونٹ بیٹن نے اِن کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی۔"

چنانچہ کیمپبل مزید لکھتا ہے کہ "اس مرحلہ پر مونٹ بیٹن نے یہ تجویز پیش کی کہ مجلس اقوام متحدہ کو تیسری پارٹی کا رول ادا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔"

چنانچہ مونٹ بیٹن کے اس مشورہ کے مطابق حکومت ہند نے کشمیر کے

مسئلہ کو ۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کے دن سلامتی کونسل میں پیش کیا۔ ہندوستان کشمیر کی وجہ سے پاکستان کے ساتھ جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مجلسِ اقوام متحدہ سے اس کے بلند آدرشوں اور مقاصد کے پیشِ نظر صدق دل سے اپیل کی کہ پاکستان ریاست جموں و کشمیر کے علاقوں پر حملوں میں شرکت نہ کرے اور نہ ہی حملہ آوروں کی امداد کرے۔ لیکن ہوا کیا کہ بڑی بڑی طاقتوں نے مسئلہ کی خوبیوں اور خامیوں کو پسِ پشت ڈال کر مجلس اقوام متحدہ کے تحت غیر جانبدارانہ رائے شماری کے نام پر ہندوستان کے جنگی لحاظ سے اہم علاقوں میں اپنے پاؤں جمانے کی کوششیں شروع کیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے ریاست کی قانونی اور جمہوری حکومت کے بدلے "غیر جانبدارانہ نظم و نسق" کا مطالبہ بھی کیا۔ امریکہ کے نمایندہ وارن آسٹن نے یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی کہ یہ "غیر جانبدار ایڈمنسٹریشن" غیر ملکی کنٹرول کے تحت ہوگی۔

مجلس اقوام متحدہ نے ہند اور پاکستان کے لئے ایک کمیشن اس غرض کے لئے مقرر کیا کہ وہ زیرِ غور مسئلہ کے بارہ میں جانچ پڑتال اور غور و فکر کرے کمیشن نے کشمیر کے سارے معاملہ کی نسبت اپنی پوزیشن حاوی کرنے کی کوشش کی۔ اس نے جولائی ۱۹۴۸ء میں اپنا کام شروع کیا۔ اور فوجی۔ معاشی اور سیاسی لحاظ سے ریاست کی سروے کی۔ اور ریاست میں غیر ملکی مبصروں کی ایک کافی تعداد تعینات کر دی۔ کمیشن اور ہند اور پاکستان کے نمایندوں کے درمیان لمبی چوڑی گفت و شنید کے نتیجہ کے طور پر ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کی قرارداد۔ جنگ بندی۔ عارضی صلح اور رائے شماری کی بنیاد بن گئی۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بندی کے احکام جاری کئے گئے۔ اس کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۴۹ء کا ضمنی معاہدہ ہوا۔ مجلس اقوام متحدہ کا کشمیر کمیشن کے ذریعہ

مداخلت کرنے کا صرف یہ نتیجہ نکلا کہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بندی کا اعلان ہوا! اور بعد میں جنگ بندی لاین کا تعین ہوا۔ کمیشن کے فریقین کو عارضی صلح اور رائے شماری سے متعلق معاہدے کے چند ضمنات کے بارے میں مختلف قسم کے بھروسے دینے اور دوسرے ضمنیات کی مختلف ڈھنگ سے تشریح کرنے کی وجہ سے کمیشن اپنے کام میں مزید ترقی نہ کر سکا۔

۲۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو امریکہ کے بحری بیڑے کے افسر اعلیٰ ایڈمرل نمٹز کو ریاست جموں وکشمیر کے لیئے رائے شماری کا ناظم نامزد کیا گیا اس سے پہلے جنرل آیزن ہاور کا نام بھی رائے شماری کے ناظم کے عہدے کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ لیکن اُس نے اُس وقت یہ کہا تھا کہ وہ یورپ میں بحیثیت سپریم اٹلانٹک کمانڈر کے بہت مصروف ہے۔ امریکہ کے ایک بہت بڑے جنگی لیڈر کو کشمیر میں ناظم رائے شماری کے طور پر منتخب کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور اعلیٰ فوجی ادارے کی نظروں میں کشمیر کو کس قدر فوجی اہمیت حاصل ہے۔ جس طرح عریاں جھوٹ بھی سیاسیات میں صداقت کے مترادف ہے۔ اُسی طرح صرف یہی سیاست داں جنرل اور بحری افسر "غیر جانبدار اور بے لاگ رائے شماری" کرا سکتے ہیں۔

کمیشن کے لیئے ایک فوجی مشیر بھی تعینات کیا گیا جس کی امداد کے لیئے ۳۷ فوجی مبصروں کا ایک گروپ مقرر کیا گیا۔ اِن مبصروں کا یہ کام تھا کہ جنگ بندی لائن کی نگرانی کریں۔ لفٹننٹ جنرل موریس ڈلوائے جو کہ اس کمیشن کا پہلا فوجی مشیر تھا اپنی غیر جانبدارانہ پوزیشن کو ناجائز طور پر استعمال کرنے کا مرتکب ہوا۔ اس نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو سردار آفندی اور اس کی بیوی کی سات گھڑیاں جو لائیڈز بنک میں محفوظ تھیں اپنے قبضہ میں لیں۔

مارچ ۱۹۴۸ء میں آفندی کو پاکستان کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کے لیئے دشمن کا ایجنٹ قرار دیا گیا تھا۔ اور اُس کی جائداد ضبط کی گئی تھی۔ یہ بات جنرل ڈلوائے کو بخوبی معلوم تھی۔ یہ شخص حکومت جموں و کشمیر کی عنایت سے آفندی کے مکان میں رہائش کرتا تھا۔ جنرل ڈلوائے نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اپنے دوست آفندی کو نامہ و پیغام پہنچاتا تھا۔ اور یہ کہ اُس نے اُس کی چیزوں اور قیمتی اشیاء کو ہوائی جہازوں اور سڑکوں کی راہ سے اُس تک پہنچایا۔ مجلس اقوام متحدہ کے دیگر مبصروں کی اس قسم کی غیر قانونی سرگرمیاں الگ بیان کی جائیں گی۔

کمیشن نے عارضی صلح نامے کے سلسلہ میں کوئی خاص ترقی نہیں کی۔ امریکہ کے دباؤ کے تحت کمیشن کو اس جھگڑے کا حل ثالثی کے ذریعہ تجویز کرنے کی ترغیب دی گئی۔ یہ تجویز حکومت ہند کو پیش کرنے سے قبل امریکی اور برطانوی حکومتوں کو پیش کی گئی۔ ستمبر ۱۹۴۹ء کو صدر ٹرومان اور وزیر اعظم اٹیلی نے ایک ہی وقت پنڈت نہرو اور لیاقت علی خاں کو ثالثی کے حق میں ذاتی خطوط لکھ کر مداخلتی دباؤ سے کام لینا چاہا۔ برطانوی اور امریکی اخبار خاصکر مؤخر الذکر اخبارات کمیشن کے اس قسم کی تجویز پیش کرنے سے قبل ہی ثالثی کے حق میں شدت کے ساتھ پروپیگنڈا کرنے لگے۔ سلامتی کونسل میں مزید بحث و مباحثہ کے دوران میں دسمبر ۱۹۴۹ء میں کینیڈا کے جنرل میکناٹن نے مزید تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز میں فوجیں ہٹانے کے کام کے لیئے مجلس اقوام متحدہ کے نمایندہ کا تعینات کرنا تجویز کیا گیا تھا۔ اس غرض کی خاطر ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کو ایک قرارداد بھی منظور ہوئی۔ برطانوی نمایندہ سر ٹرنے شون کے کہنے کے مطابق مجلس اقوام متحدہ کا نمایندہ کوئی ایسی تجویز پیش کر سکتا تھا۔ جو اس کے خیال

ہیں جھگڑے کو فوری طور پر حل کرنے میں ممد ثابت ہو۔ اس طرح مجلس اقوام متحدہ کے نمایندہ نے ثالث کا رول اختیار نہیں کیا بلکہ صرف مصالحت کنندہ کا۔"

آسٹریلیا کا جج سر اوون ڈکسن مجلس اقوام متحدہ کے پہلے نمایندہ کی حیثیت میں یہاں آیا۔ اُس نے اِس بات کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا کہ پاکستانی اور قبائلی حملے سے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اُس کا یہ خیال بھی صحیح تھا کہ فریقین کو باہمی مشورے سے مسئلہ کا حل کرنا چاہئے لیکن اُس کی فوجیں ہٹانے کی اسکیم سے کشمیر میں ہند اور پاکستان کی حیثیت ایک ہی سطح پر آگئی۔ اور اُس نے جو تجویز ریاست کی جائز حکومت کو بدلنے اور مقامی نظم ونسق میں اقوام متحدہ کے افسروں کو لانے کے سلسلہ میں پیش کی اُس سے ریاست کی اندرونی خودمختاری اور ریاست میں امن عامہ اور سلامتی کے سلسلہ میں ہندوستان کی قانونی ذمہ داریوں پر ایک کاری ضرب پڑتی تھی۔ ساری ریاست کی رائے شماری کے سلسلہ میں اُس کی اِس متبادل تجویز نے کہ ریاست کی مزید تقسیم اور وادیٔ کشمیر میں جزوی رائے شماری کی جائے، ریاست میں انتشار کے بیج بوئے۔ اس میں محدود رائے شماری کے رقبہ (یعنی وادی کشمیر) میں مجلس اقوام متحدہ کی ایڈمنسٹریشن قائم کرنے کی تجویز بھی شامل تھی۔ سر اوون ڈکسن نے اس بات پر زور دیا کہ ریاست کی تقسیم ایک دانشمندانہ اور مستقل فیصلہ ہوگا۔

۱۹۵۱-۱۹۵۲ء میں سلامتی کونسل نے اس معاملہ کو اپنے نئے نمایندہ ڈاکٹر گراہم کے سپرد کیا۔ فوجیں ہٹانے اور رائے شماری سے متعلق ایک قرارداد میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اقوام متحدہ کے ممبر ممالک مسلح فوجیں مہیا کریں گے۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۱ء کو ڈاکٹر گراہم نے فوجیں ہٹانے کے لئے ایک معاہدہ کا مسودہ تیار کیا جو بارہ نکات پر مشتمل تھا۔ یہ نکات کشمیر کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور

۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی دو قرار دادوں پر مبنی تھے ۔ چونکہ اقوام متحدہ کی قرار دادیں الفاظ کی تبدیلی کے باوجود نفس مضمون کے لحاظ سے یکساں تھیں اس لئے سمجھوتہ کی کوئی گنجائش نکل نہ سکی۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ کشمیر میں بیرونی مداخلت کے اِن نت نئے طریقہ ہائے کار کے ساتھ پاکستان نے خاموشی کے ساتھ اتفاق کیا۔ اگرچہ کشمیر اور ہند اس کے بُنیادی طور پر مخالف تھے۔

۱۹۵۱ء کے نومبر اور دسمبر کے مہینوں میں پیرس میں مزید بحث و مباحثہ ہوا۔ ڈاکٹر گراہم کے فوجی مشیر جنرل ڈیورس نے فوجیں ہٹانے کے سلسلہ میں نئی تجاویز سامنے رکھیں۔ لیکن کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ جب ۱۷ جنوری ۱۹۵۲ء کو پیرس میں ڈاکٹر گراہم نے اپنی نئی قرارداد کے سلسلہ میں سلامتی کونسل سے خطاب کیا۔ تو سویٹ روس کے نمائندہ مسٹر جیکب ملک نے اِن طویل کارروائیوں میں پہلی بار مداخلت کی اور یہ رائے ظاہر کی :-

"اِن منصوبوں کا مطلب برطانیہ اور امریکہ کا کشمیر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنا۔ کشمیر کے سوال پر ہند اور پاکستان کے درمیان جھگڑے کو طول دینا۔ اور اقوام متحدہ کے ذریعہ کشمیر کو امداد دینے کی آڑ میں اس کو برطانیہ اور امریکہ کی ٹرسٹی شپ کے تحت لانا اور آخر میں کشمیر سے متعلق اِن تمام منصوبوں کا مقصد کشمیر کے علاقہ میں امریکہ اور برطانیہ کی فوجیں لاکر اس (کشمیر) کو امریکہ اور برطانیہ کی ایک نوآبادی بنانا اور اپنے فوجی اور جنگی منصوبوں کے لئے استعمال کرنا ہے۔"

سویٹ نمائندہ کی اِس مشہور مداخلت کے بعد انگلو۔ امریکی طاقتیں کشمیر کے سوال کی پیروی سلامتی کونسل سے باہر کرنے لگیں۔ نومبر ۱۹۵۲ء میں اس مقصد کی خاطر ایک اور قرارداد پاس کی گئی۔ فروری ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر

گراہم دوبارہ ہندوستان آیا۔ اس نے ۱۹۵۲ء کے اگست اور ستمبر کے مہینوں میں ہند اور پاکستان کے نمایندوں کے ساتھ جنیوا میں دو کانفرنسیں کیں لیکن بحث و مباحثہ بے سود ثابت ہوا۔ اور بنیادی اختلافات پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

کشمیر کا ایک عام شہری کشمیر کے جھگڑے سے متعلق اقوام متحدہ کے رول کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ آدرش وادیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو یہ خیال کرتا تھا کہ مجلس اقوام متحدہ دنیا میں امن قائم کرنے کا ذریعہ بن جائے گی اُن کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔ اکثر لوگ اس حقیقت کے قائل ہو گئے ہیں کہ اقوام متحدہ کی انجمن اقتدار پسند سیاسیات کا شکار بن گئی ہے۔ یہ بات سب کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ انگلو۔ امریکی طاقتیں جن کی اس انجمن میں اکثریت ہے کشمیر کے معاملہ کو اسی نکتہ نگاہ سے نپٹا رہے ہیں۔ اپنی جنگی اور سیاسی پالیسیوں کو ہند پر لادنے کی خاطر کشمیر کا جھگڑا انھیں اس پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایک اچھے حربے کا کام دیتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کی اِن پالیسیوں کو پاکستان کم و بیش قبول کرتا ہے۔ لہٰذا مجلس اقوام متحدہ کا کشمیر سے متعلق عام رویہ پاکستان کی حمایت کی طرف مائل ہے۔ اس طریقہ سے وہ کشمیر کے عام لوگوں اور اس کی قومی تنظیم کے رہنماؤں پر "اعصابی جنگ" کا دباؤ ڈالتے رہے ہیں۔ کشمیر کے لوگ اپنے سروں پر اقوام متحدہ کی تلوار لٹکتی نہیں دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ وہ اس خطرہ کے بغیر سلامتی کے حالات میں پُرامن زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ کشمیر کے جھگڑے کے طول پکڑنے سے ہر طرف ایک ذہنی کشمکش پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ شیخ عبداللہ جیسا رہنما بھی اس کا شکار ہوا۔ حالات کی روش کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سر اودن ڈکسن کی تقسیم کی اسکیم کی بنیاد پر شیخ عبداللہ "خود مختار" کشمیر کا پرچار کرنے لگا۔ اب اس

سوال کی جانچ کرنا باقی ہے کہ ایسے منصوبے کے سلسلہ میں جو ملک کے لئے تباہ کن نتائج کا حامل تھا شیخ پر کن اثرات نے کام کیا۔

شیخ عبداللہ کا "خود مختار" کشمیر

بیرونی طور پر دباؤ ڈالنے کے ساتھ ہی ساتھ مفاد پرست طاقتوں نے ہند اور کشمیر کے قومی رہنماؤں کے کمزور عناصر کو اپنی جانب دوستانہ رویہ اختیار کرنے کی طرف راغب کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں پاکستان پہلے ہی اُن کے دائرہ اثر میں تھا۔ اِس وقت ہماری بحث صرف کشمیر تک محدود ہے انھوں (مفاد پرست طاقتوں) نے نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں کے ایک حصّہ کو مختلف طریقوں سے اپنے ساتھ ملانا چاہا اور سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ شیخ عبداللہ اُن کے گھناؤنے منصوبوں کا شکار ہوا۔ اُس نے اپنی شخصیت میں ایک خصوصی اُفتادِ طبع کو اُجاگر کیا۔ جو ایک قسم کی ذاتی جذب کے مترادف تھی اس نے اس کے سیاسی زاویۂ نگاہ پر کافی حد تک اثر ڈالا۔ یہ باتیں اسے ایک طرح کی مقامی آمریت کی طرف مائل کرنے کا موجب بنیں۔ یہی باتیں اُس کے اُس آمرانہ رویہ کی جزدی طور پر وضاحت کرتی ہیں۔ جو وہ قومی تنظیم اور ایڈمنسٹریشن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھتا تھا۔ ایسی ذہنی حالت میں "خود مختار" کشمیر کا منظر اُس کو بہت حسین دکھائی دینے لگا۔

اقوام متحدہ کے کشمیر میں مداخلت کرنے کی وجہ سے جو پیچیدہ اور اُلجھے ہوئے حالات پیدا ہوئے تھے اُن میں اُس نے کشمیر سے متعلق جھگڑے کے چار فریق یعنی بیرونی طاقتیں بہ الفاظِ دیگر اقوام متحدہ۔ پاکستان۔ ہند اور اپنے تئیں تسلیم کئے۔ اُس نے ہند کی امداد سے پاکستان کے منصوبوں کو ناکام

کیا۔ اور اب اس نے اقوام متحدہ اور پاکستان کی امداد سے ہند اور اپنے آپ میں توازن قائم کرنا چاہا۔ اس طرح ایک ایسے "خود مختار" کشمیر کے نظریہ نے جڑ پکڑنا شروع کیا جس کے ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ تعلقات ہوں۔ نیز جسے بین الاقوامی گارنٹی اور معاشی امداد امریکہ دے۔ ۱۹۴۸ء میں اس نے نیو یارک میں سوویٹ یونین کے کچھ سفارتی ماہرین سے باتوں باتوں میں ان کی رائے دریافت کرنا چاہی۔ لیکن اُسے معلوم ہوا کہ انھیں کشمیر کے اندرونی معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں۔ اس طرح وہ بتدریج مغربی طاقتوں کی جانب اپنا رُخ موڑنے لگا۔ ایک ایسے "خود مختار" کشمیر کے بارہ میں جس کی ضامن بڑطانوی دولت مشترکہ ہو بحث چھیڑی گئی۔ لیکن وہ اس تجویز سے متاثر نہ ہوا۔ کیونکہ یہ تجویز نہ ہند اور پاکستان کو منظور تھی اور نہ ہی اس سے مکتفی مالی امداد یقینی بن جاتی تھی۔ واقعات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبداللہ روز بروز امریکہ کی جانب رجوع کرنے لگا۔ لہٰذا کشمیر کے جھگڑے کو حل کرنے کے لیے مجلس اقوام متحدہ یعنی امریکہ کی مداخلت میں اُس کا بھروسہ بڑھنے لگا۔

اقوام متحدہ کے لوگوں کے ساتھ کام کرنے سے اُس کو ایسے متعدد اشخاص سے تعلقات پیدا کرنے کا موقع ملا جنھیں "خود مختار" کشمیر کے ساتھ دلچسپی تھی۔ پہلے پہل اُس نے اِس مسئلہ کے بارے میں ہوشیاری سے کام لیا۔ چنانچہ اُس نے متذکرہ بالا خیال کے لوگوں کو یہ بتایا کہ متعلقہ فریقین کے درمیان سمجھوتہ ہونے کی خاطر اس قسم کی تجویز کو ایک ایسا شخص پیش کرے جسے اپنی حکومت کی باضابطہ نمایندگی حاصل ہو۔ جینوا کے پرنس اکرم (اس کے بارے میں مزید باتیں آگے آئیں گی)، کے نام ایک چٹھی میں شیخ عبداللہ نے لکھا کہ "خود مختار" کشمیر کے بارے میں پہلی بار ۱۹۴۸ء میں بحث ہوئی تھی لیکن کوئی

سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۸-۱۹۴۹ء میں فوجی حالت غیر یقینی تھی کسی بھی شخص کو آئندہ حالات کے بارے میں کوئی واضح تصور نہ تھا۔

مئی ۱۹۴۹ء میں پہلی بار شیخ عبداللہ نے اپنے ما فی الضمیر کا انکشاف کیا۔ اُس نے کچھ برطانی اخبار کے نمائندوں خاص کر تحریر اخبارات کے نمائندہ جی وارڈ پرائس اور سنڈے آبزرور اور سکاٹسمین کے نمائندہ مائیکل ڈیوڈسن کو ایک بیان بغرض اشاعت دیا۔ اِن رپورٹوں کے مطابق شیخ عبداللہ نے کہا:۔

"دو ممالک میں سے کسی بھی ایک کے ساتھ الحاق کرنے سے امن قائم نہیں ہوگا ہم دونوں ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرکے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ شاید یہی ایک طریقہ ہوگا کہ کوئی درمیانی راستہ اختیار کرکے ہم اِن دونوں کے ساتھ معاشی تعلقات قائم کریں۔ بہر حال ایک "خودمختار" کشمیر کو نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کی گارنٹی ملنی چاہیے بلکہ اس کے لیے امریکہ۔ برطانیہ اور اقوام متحدہ کے دیگر ممبروں کی ضمانت بھی لازمی ہے۔"

شیخ عبداللہ نے ڈیوڈسن کو مزید یہ بات بھی بتائی کہ شاید پونچھ اور گلگت پاکستان کے ساتھ ملنا پسند کریں۔ شیخ کی اس رائے میں یہ بات بھی مضمر تھی کہ لداخ اور جموں ہند کے ساتھ شامل ہوں گے۔ اس طرح صرف وادیٔ کشمیر ایک "خودمختار" ریاست کی حیثیت سے باقی رہ جاتی تھی۔ ڈیوڈسن اس سلسلہ میں اپنے مراسلہ کے خاتمہ پر لکھتا ہے:۔ "لیکن کشمیر کے لئے جس کی معاشی حالت سارے برصغیر کے سیاحوں کی آمدورفت اور کشمیر میں بنی ہوئی عیاشی کی چیزوں کے لئے دُنیا بھر کی دولت مند منڈیوں میں کھپت پر منحصر ہے۔ واحد حل یہ ہے کہ دونوں مملکتیں کسی طرح کی غیر جانبداری برتیں۔ اور

اس میں شک نہیں کہ عبداللہ کی تجاویز اس مسئلہ کا منطقی حل دکھائی دیں گی۔ جس میں ہند اور پاکستان دونوں میں سے کوئی اپنے اصول سے منحرف نہیں ہوگا"۔

اگرچہ ڈیوڈسن کے ساتھ شیخ عبداللہ کی اس ملاقات کی رپورٹ بین الاقوامی پریس میں نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ لیکن ہند اور پاکستان میں اُس کے خیالات کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ اِس لئے اُس نے اس مرحلہ پر اس متبادل حل کے درپے رہنا قبل از وقت اور بے محل سمجھا اور اس طرح اس تجویز کو اپنانے سے انکار کیا۔ اُسے بین الاقوامی طور پر ایک ایسی شخصیت تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ جو کشمیر کے جھگڑے کو حل کرسکتی ہو۔ اس سلسلہ میں اُس نے ایک متضاد بیان میں کہا کہ جب وہ "خود مختاری" کے بارے میں ڈیوڈسن سے باتیں کر رہا تھا تو وہ جیسے ایک مجرد اور نظریاتی طریقہ پر اپنے آپ سے مخاطب تھا۔ اس بیان میں اُس نے مزید یہ کہا ہے کہ :۔" خود مختاری ایک حسین تصور ہو سکتا ہے اور ہے۔ مگر کیا اس تصور کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے؟ کیا اس تجویز کو وہ گارنٹی اور منظوری حاصل ہے جو اس کے لئے لازمی ہیں؟ کیا کشمیر جیسا چھوٹا ملک جس کے پاس محدود ذرائع ہوں اس خود مختاری کو قائم رکھ سکتا ہے؟ اور کیا تمام متعلقہ ممالک ایسے سیاسی موڈ میں ہیں کہ وہ اس تجویز کے ساتھ صدق دلی سے اتفاق ظاہر کریں۔ یا صرف رسمی طور پر خود مختاری کا اعلان کرنے سے ہم کسی بے اصول اور طاقتور ملک کا لقمہ تو نہیں بنیں گے؟ ایسا کرنا اُس اصول کے ساتھ بدترین قسم کی غداری کرنا ہوگا جس اصول کو ہم اس قدر لمبے عرصے سے اپنا چکے ہیں۔ اس لئے یہ اور دیگر پاس و لحاظ کی باتیں خود مختاری کی متبادل تجویز کو نہ صرف علمی اور نظریاتی بناتی ہیں

بلکہ بے معنی بھی۔ میں نے پیشتر بھی اس سوال کے متعلق اسی سپرٹ اور مفہوم میں کئی بار اخبار نویسوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا ہے۔ اسی سیاق و سباق کے پیشِ نظر اِن خیالات کو پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے"۔ (خط کشیدگی ہم نے کی ہے)

شیخ عبداللہ کے متذکرہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ وہ صرف موزوں وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ "خود مختاری" کے خلاف دلائل صرف "اُس وقت" جائز تھے جب کہ "تمام متعلقہ ممالک" اُس کی متبادل تجاویز کو تسلیم کرنے کے لیئے تیار نہ تھے۔ جب اُس نے ۱۹۵۳ء میں اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی خاطر ایک مہم شروع کی تو وہ یہ بات بھول گیا کہ ایسا کرنا "اُن اُصولوں کے ساتھ بدترین قسم کی غداری ہوگی جو ہم اپنا چکے ہیں"۔ کیا ۱۹۵۳ء میں تمام فریق مسئلہ کے اس حل کو تسلیم کرنے کے لیئے تیار تھے؟ قیاس سے کہا جا سکتا ہے کہ متعلقہ بدیشی طاقتیں اور پاکستان اس حل کو تسلیم کرنے کے لیئے تیار ہوئے ہوں گے۔ مگر ہندوستان اس حل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ لیکن پاکستان اور بین الاقوامی دباؤ کے ذریعہ ہند کو دھمکی دے کر یہ حل تسلیم کرنے کے لئے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ اس بات پر آگے چل کر بحث کی جائے گی۔ بہر صورت اُس کا یہ رویہ کشمیر اور اُس کے لوگوں کے مقاصد اور "اُس اصول کے ساتھ بدترین قسم کی غداری تھی" جس کی نمایندگی وہ کرتا تھا۔

دسمبر ۱۹۴۹ء میں جب وہ کشمیر کمیشن کے رپورٹ کے متعلق سلامتی کونسل کی میٹنگ کے سلسلہ میں امریکہ چلا گیا۔ تو اُس (شیخ عبداللہ) نے وہاں کئی بیرونی حلقوں کے ساتھ تعلقات قائم کیئے۔ ان میں یوگوسلاویہ کے وفد کا لیڈر ڈاکٹر بیبلر اور سعودی عرب کے وفد کا لیڈر بھی شامل تھے۔ "خود مختار" کشمیر کی تجویز پر بحث کی گئی اور شیخ عبداللہ اور "آزاد" کشمیر گورنمنٹ کے ہیڈ

سردار ابراہیم کے درمیان ایک پرائیویٹ میٹنگ کا انتظام کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس غیر رسمی بات چیت سے بجز اس کے کہ شیخ عبداللہ نے کئی بین الاقوامی میدانوں میں بہت سے اشخاص کے ساتھ تعلقات پیدا کئے، کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔

ڈکسن پلان

لیک سیکسیس سے واپسی پر شیخ عبداللہ نے استقلال کے ساتھ بیرونی طاقتوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ اس غرض کی خاطر اُس نے کشمیر میں مقیم متعدد بدیشی ایجنٹوں سے کام لیا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان میں اُس وقت کے امریکی سفیر لائی ہینڈرسن نے اُس کی کافی حوصلہ افزائی کی۔ ۱۹۵۰-۱۹۵۱ء میں مسٹر اور مسز ہینڈرسن کئی بار کشمیر آئے اور انھوں نے یہاں کئی پاکستان نواز افراد سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے۔ مسز ہینڈرسن لمبے عرصہ کے لئے یہاں رہنے لگی۔ تاکہ اندرونی طور پر امریکہ کے حق میں سازگار حالات پیدا کئے جائیں۔ لائی ہینڈرسن اور اُس کی بیوی نے یہاں جو بحث مباحثے کئے، اُن میں بیشتر غیر رسمی تھے۔ نیز اُنھوں نے "خود مختار" کشمیر کی تجویز کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے شیخ عبداللہ کے دوستانہ حلقہ میں گھومنے والے کئی با اثر کشمیریوں کو امریکہ کا ہمنوا بنایا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ مسٹر اور مسز ہینڈرسن کی بے تکلفی اور سیاسی کوتاہ اندیشی کو دیکھ کر ہوشیار مبصرین حیران ہوئے۔ اُنھوں نے تاڑ لیا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ امریکی اخبارات نے شیخ عبداللہ کی حکومت کے ساتھ دوستی اور دلچسپی ظاہر کرنا شروع کی۔

شیخ عبداللہ نے مسٹر اور مسز ہینڈرسن سے اس حد تک دوستی گانٹھی کہ وہ مسز ہینڈرسن کے ہمراہ اگست ۱۹۵۰ء میں امرناتھ کی گپھا دیکھنے گیا۔ مسٹر لائی ہینڈرسن نے شیخ عبداللہ کو سیلاب زدگان کی امداد کے لئے پانچ ہزار روپے دیئے۔ لائی اور لیڈی ہینڈرسن کے شیخ عبداللہ اور اُس کے حلقہ بنیر کشمیر کے سرکردہ پاکستانی ایجنٹوں کے ساتھ ان ابتدائی تعلقات سے ہوشیار مبصرین تاڑ گئے کہ حالات کا رُخ نئی سمت اختیار کرنے والا ہے اگرچہ کشمیر میں امریکہ کی مداخلت کئی طرح سے غیر سفارتی اور بھدی نوعیت کی رہی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس حد تک براہ راست نوعیت کی نہ تھی جس سے کہ ہند ناراض ہو جاتا۔ امریکی افسروں نے کسی حد تک بالواسطہ طریقہ ہائے کار میں ایک قسم کی ہوشیاری کا ثبوت دیا۔

تاہم ابھی تک کشمیر کا مسئلہ زیادہ تر دولت مشترکہ کا معاملہ تھا ان حالات میں کوئی تعجب نہیں کہ ایک آسٹریلوی جج سر اوون ڈکسن کو مجلس اقوام متحدہ نے مصالحت کنندہ کے طور پر تعینات کیا۔ بحر الکاہل میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ امریکہ کے دفاعی انتظامات میں جکڑے جا رہے تھے۔ سر اوون ڈکسن نے حکومت کشمیر، شیخ عبداللہ یا کشمیری عوام کے نقطۂ نظر کو چنداں وقعت نہیں دی۔ ڈکسن نے جو منصوبہ سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا۔ اس کے مطابق اس نے کشمیر میں نیشنل کانفرنسی حکومت کے بدلنے کا مطالبہ کیا۔ کشمیر کمیشن کی قراردادوں کی بنیاد پر سمجھوتہ کرانے میں ناکام ہونے پر ڈکسن نے کئی متبادل تجویزیں پیش کیں۔ ان میں "علاقائی اور الگ الگ حصوں میں" رائے شماری۔ اور رائے شماری کے بغیر ہند اور پاکستان کے درمیان غیر متنازعہ علاقوں کی تقسیم کرنا۔ مگر ساتھ ہی "محدود علاقہ جس میں وادیٔ کشمیر

شامل ہو یا جو صرف وادیٔ کشمیر پر مشتمل ہو، میں محدود رائے شماری کرنا" ایسی تجویز میں شامل نہیں۔ رائے شماری کے محدود رقبہ یعنی وادیٔ کشمیر میں ایڈمنسٹریشن کا کام ناظم رائے شماری کے ماتحت مجلس اقوام متحدہ کے افسر چلاتے۔ جو "تمام اقسام کی فوجوں کو الگ" کر سکتے تھے یا فریقین سے فوجیں طلب کر سکتے تھے۔

ہند، وادیٔ کشمیر میں جائز حکومت کو بدلنے اور مجلس اقوام متحدہ کے ناظموں اور فوجوں کو تعینات کرنے کا بنیادی طور پر مخالف تھا جہاں تک ڈکسن منصوبہ کے اس پہلو کا تعلق ہے شیخ عبداللہ نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی کیونکہ اس سے اس کی حکومت ختم ہو جاتی۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ اگر شیخ عبداللہ کی حکومت کو برقرار رکھنے کی تجویز شامل رکھی گئی ہوتی تو ہند نے جزوی رائے شماری کی اسکیم کو منظور کیا ہوتا۔ لیکن پاکستان اور بیرونی طاقتیں اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے خلاف تھیں۔ شیخ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے پرائیویٹ طور پر کہا کہ اگر اس کی حکومت کو تسلیم کیا جاتا تو ڈکسن کا منصوبہ جھگڑے کو حل کرنے کے لئے ایک "نمونے" کا حل ثابت ہوتا۔ اس سے وہ وادیٔ کشمیر میں "خود مختار" کشمیر قائم کرنے کے قابل ہو جاتا۔ ۱۹۵۱ء میں شیخ عبداللہ کی یہ ذہنی حالت تھی۔ مئی ۱۹۵۳ء تک کے بحرانی مہینوں کے دوران میں اس نے بجز اس تجویز کے جس میں اس کی حکومت کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا ڈکسن پلان کی تائید میں اعلانیہ تقریریں کرنا شروع کیں۔ اپنی حکومت کو قائم رکھنے کی خاطر اس نے ریاست میں مجلس آئین ساز کی تشکیل کی جس سے اُس کی حکومت کو ایک مضبوط قانونی بنیاد حاصل ہوئی۔ مزید براں اس نے ایسے بین الاقوامی تعلقات قائم کئے تھے جن کی امداد سے

وہ جزوی رائے شماری کو بھی رد کرا سکتا تھا۔

دولت مشترکہ کی مصالحت

جنوری ۱۹۵۱ء میں لنڈن میں دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے شروع ہی میں مسٹر لیاقت علی خاں نے کشمیر کے مسئلہ کو کانفرنس کے ایجنڈا میں شامل کرنے کے لئے دباؤ ڈالنے کی چالیں چلنا شروع کیں۔ بہر حال اس کے بارے میں کئی پرائیویٹ میٹنگوں میں بحث و مباحثہ ہوا۔ اُس وقت بین الاقوامی پالیسیوں سے متعلق اینگلو۔امریکی طاقتوں کا اشتراکِ عمل آج کی نسبت زیادہ قریبی تھا۔ آسٹریلیا کے وزیر اعظم مسٹر رابرٹ مینزیز نے اِن پرائیویٹ بحث و مباحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ حالانکہ ہند اور پاکستان کے درمیان دوستی اور آشتی قائم کرانے کی خاطر الفاظ کی بھرمار کی گئی۔ لیکن ان سیاست دانوں کی کشمیر میں خاص دلچسپی فوجی اور جنگی نوعیت کی تھی۔ ہندوستان کی فوجی اہمیت کی سرحدوں پر کسی قسم کی بیرونی فوجوں کے تعینات کرنے کے خلاف وزیر اعظم نہرو کی مخالفت کے باوجود "غیر جانبدار اور آزادانہ" رائے شماری کرانے کی خاطر ہند اور پاکستانی فوجوں کی جگہ مجلس اقوام متحدہ یا دولت مشترکہ کی فوجوں کو رکھنے کی تجویز کی سنجیدگی سے سفارش کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ مسٹر لیاقت علی خاں نے یہ سب تجویزیں تسلیم کیں۔ مگر مسٹر نہرو نے انھیں رد کر دیا۔

مگر جو بات عام طور پر معلوم نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اِن میٹنگوں میں ڈکسن کے اُس پلان پر بھی بحث کی گئی جس میں وادیٔ کشمیر کے لئے جزوی

رائے شماری اور تقسیم کا منصوبہ شامل تھا۔ ہند کو رعایت دینے کے لئے یہ تجویز پیش کی گئی کہ صرف وادیٔ کشمیر یا ساری ریاست کو ہند اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی میں ایک "خود مختار" ریاست قرار دیا جائے۔ اور دونوں ممالک اس کے خارجی معاملات۔ دفاع اور رسل و رسائل کو مشترکہ طور پر کنٹرول کریں۔ بہر حال جب پرائم منسٹر نہرو نے ریاست کے فوجی اور جنگی لحاظ سے اہم علاقوں میں استحکام کرنے کی خاطر دولت مشترکہ کی خواہشمندی اور ریاست کے موجودہ حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ جنگ بندی لائن کو مناسب تغیر و تبدیلی کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بطور سرحد مستقل طور پر قائم کیا جائے۔ گو مسٹر لیاقت علی خاں نے اِس تجویز کو ٹھکرا دیا۔ اُس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی برسر اقتدار تھی۔ ٹوڈی ہائی کمانڈ نے "خود مختار" کشمیر کے قیام کے لئے ایک کھُلا داؤ لگایا۔ اور بہت سے ذرائع سے شیخ عبداللہ کی حمایت حاصل کرنے کی سعی کی۔ لنڈن ٹائمز کے نام خطوط میں کیسی بی۔ زنشی؛ اور سر ہیوک گارٹ اور سر گاڈفرے ڈیوس (سندھ ہائی کورٹ کا سابقہ چیف جج) نے ایک "خود مختار" کشمیر قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ ٹوڈی حلقوں سے حوصلہ افزائی حاصل کر کے سر گاڈفرے ڈیوس نے ۹ر جنوری ۱۹۵۱ء کو ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن اور اُوورسیز لیگ (OVERSEAS LEAGUE) کے ایک مشترکہ جلسہ میں "کشمیر —— ایک خود مختار ریاست" کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ اُس وقت پڑھا گیا جب دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس ہو رہی تھی۔

اس پوزیشن کو تسلیم کرتے ہوئے کہ غیر جانبدار اور آزادانہ رائے شماری کے لئے حالات سازگار نہیں ہو سکتے ہیں۔ ڈیوس نے یہ تجویز پیش کی کہ کشمیر کو

ہندوستان اور پاکستان کے آپسی سمجھوتہ اور اُن کی حوصلہ افزائی سے ایک خود مختار ریاست قرار دینا چاہیئے۔ "کشمیر کے اپنے مفاد کے پیشِ نظر اس کا اطلاق خارجی معاملات اور دفاع پر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کی تمام تر ذمہ داری اقوام متحدہ کی سرپرستی میں ہندوستان اور پاکستان پر ہونی چاہیئے۔ جو کشمیر سے متعلق ایک معاہدہ میں ایک دوسرے کے پابند رہیں گے"۔ ڈیوس نے مزید یہ تجویز پیش کی کہ ریاست جموں وکشمیر کی سرحدیں ریاست کی قبل از تقسیم سرحدوں پر مشتمل ہونی چاہئیں۔ اور یہ کہ شیخ عبداللہ کی موجودہ حکومت کو نئی عارضی حکومت کا مرکزی ڈھانچہ سمجھنا چاہیئے۔ سر گاڈ فرے نے اپنے مقالہ کے اختتام پر یہ الفاظ لکھے تھے "شاید کشمیر کی قسمت میں یہ بات لکھی ہوگی کہ وہ برصغیر ہند کو اتحاد اور تعاون کی راہ پر چلنے کے لئے رہنمائی کرے"۔ دکھائی دیتا ہے کہ یہ الفاظ شیخ عبداللہ کی اُن باتوں سے لئے گئے ہیں جو وہ عام طور پر "خود مختار" ریاست کے سلسلہ میں پرائیویٹ طور پر کہا کرتا تھا۔

آئین ساز اسمبلی

دولت مشترکہ اور سر اوون ڈکسن کی مصالحت کے ناکام ہونے کے باعث کشمیر کے جھگڑے کو اینگلو امریکی پالیسی کے مطابق حل کرنے کے لئے بیرونی مداخلت کا دباؤ امریکہ کی جانب سے پڑنے لگا۔ یہ بات ڈاکٹر گراہم کے ۳۰ اپریل ۱۹۵۱ء کو مجلس اقوام متحدہ کے نمائندہ کے طور پر تعینات ہونے سے ظاہر ہوئی۔ سلامتی کونسل کی فروری ۱۹۵۱ء کی منعقدہ میٹنگوں میں اینگلو امریکی قرارداد کے بنیادی مسودہ میں یہ تجویز رکھی گئی تھی کہ مجلس اقوام متحدہ کے ممبر ملکوں کی فوجیں کشمیر بھیجنی چاہئیں۔ نیز ریاست میں حکومت جموں وکشمیر کا

انتظام مجلس اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔ مداخلت کی یہ بھدی صورت ہند نے منظور نہ کی۔

دریں اثنا شیخ عبداللہ اپنے منصوبوں کو آگے بڑھانے میں مصروف تھا۔ ڈکسن نے اُس کی نمائندہ حیثیت کے بارے میں شبہہ ظاہر کیا تھا۔ حکومت جموں و کشمیر کو ہندوستان کے آئین کے تحت جو ضمانتیں حاصل ہوئی تھیں اُس کے باوجود مہاراجہ اور اُس کے ایجنٹ یوراج کرن سنگھ جی کا سایہ پس منظر میں ابھی منڈلا رہا تھا۔ لہٰذا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کے جنرل کونسل کی قرارداد کے باعث اور دیگر وجوہات کی بنا پر شیخ عبداللہ نے مجلس آئین ساز کو طلب کرنے کی تجویز پیش کی۔ جنرل کونسل کی اس قرارداد میں درج تھا کہ "ریاست کی علاقائی یکجہتی برقرار رہنی چاہیے۔ اور مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت لوگوں کا اتحاد اور ملک کی یکجہتی کو مصنوعی حصّوں میں توڑنا نہیں چاہیے۔" جنرل کونسل نے اس سلسلہ میں پہل کر کے اس قرارداد کے ذریعہ اعلان کیا کہ حق رائے دہی بالغان پر مبنی مجلس آئین ساز کا مقصد "ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کے تعلقات کو متعین کرنا ہوگا۔"

۵ر نومبر ۱۹۵۱ء کو مجلس آئین ساز میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے ایک ایسی سیاسی لائن اختیار کی جو جنرل کونسل کی قرارداد کے مطابق نہ تھی۔ ریاست کے مستقبل کی حیثیت کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اُس نے الحاق سے متعلق تین راستوں یعنی خود مختاری۔ ہند کے ساتھ الحاق اور پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث کی۔ اُس نے "خود مختاری" کے حل کو رد کیا۔ کیونکہ اس کی ضمانت کوئی دیتا نہ تھا۔ لیکن بہ ایں ہمہ "مشرقی سوئزرلینڈ" کا حسین تصور اس کے ذہن پر نقش

ہوگیا تھا۔ اگرچہ اُس نے کشمیر میں دولت مشترکہ کی فوجیں بھیجنے کی صراحت شدہ تجویز پر نکتہ چینی کی۔ اُس نے اُسی طریقہ پر فروری ۱۹۵۱ء کی اُس اینگلو امریکی قرارداد کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ اس قرارداد میں مجلس اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی فوجوں کے کشمیر میں داخل ہونے کی تجویز موجود تھی۔

شیخ عبداللہ کے عام رویہ اور طور طریقہ پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر میں امریکی مداخلت کے خلاف نہ تھا۔ بشرطیکہ اس کی رہنمائی میں "خود مختار" کشمیر کی ضمانت دی جاتی۔ نیویارک ٹائمز کے ایک نمائندہ مائیکل جیمز (یہ شخص اِس وقت اسی اخبار کا کراچی میں نمایندہ ہے) نے جس کو ان دنوں شیخ عبداللہ سے تین گھنٹے بات چیت کرنے کا موقع ملا تھا لکھا: "اس بات کی نسبت اشارے کئے گئے ہیں کہ جونہی مجلس آئین ساز ایک بار کام کرنا شروع کرے گی۔ ہند کے ساتھ الحاق کی مخالفت کرنے اور مکمل خود مختاری کے لئے، ایک عوامی تحریک منظم کرنے کے امکانات پیدا ہوں گے" (نیویارک ٹائمز یکم نومبر ۱۹۵۱ء)

باوثوق شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لائی ہینڈرسن پہلا معتبر بیرونی نمائندہ تھا جس نے ذاتی طور پر شیخ عبداللہ کو اسی مقصد کی خاطر لائحہ عمل تجویز کیا۔ ہو سکتا تھا کہ کشمیر کی "خود مختار" ریاست چند سال کے لئے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں رہتی۔ اس کے ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ قریبی معاشی تعلقات قائم ہوتے۔ اس سلسلہ میں واقعہ تو یہ ہے کہ پیشتر ازیں امریکنوں نے کشمیر کو اس وجہ سے مالی امداد دینے سے انکار کیا تھا کہ کشمیر ایک "متنازعہ علاقہ" تھا۔ یہ رویہ شیخ عبداللہ پر ہند کی نسبت اپنا رویہ بدلنے کے لئے دباؤ ڈالنے کے طور پر اختیار کیا گیا۔

فورڈ کمپنی کے ایک ذمہ دار نمائندہ نے اُسے ایک پرائیویٹ میٹنگ میں اس بات کا یقین دلایا کہ جونہی "خود مختاری" کی بنیاد پر ریاست کی پوزیشن بین الاقوامی طور پر مستحکم ہو جائے گی "اس خوبصورت ملک کے ذرائع" کو استعمال میں لانے کی خاطر امریکہ کافی مالی امداد مہیا کرے گا۔

مجلس آئین ساز کی ٹھوس کارروائیاں۔ زرعی اصلاحات۔ مہاراجہ کی موروثی حکمرانی کا خاتمہ۔ ریاست کے لیے منتخب سردار اعلیٰ کا ادارہ اور ریاست کے لیے ایک علیحدہ جھنڈے اور سرکاری نشان کے اپنانے پر مشتمل تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک جمہوری ڈھانچے میں ایسے اقدام قابلِ ستائش ہیں۔ لیکن جب اِن اقدام کا جائزہ شیخ عبداللہ کی سیاسی چالوں کے پس منظر میں لیا جاتا ہے۔ تو یہ ایک مختلف اہمیت اختیار کرتے ہیں۔

شیخ عبداللہ اور بیرونی پریس

جب ڈاکٹر گراہم اقوام متحدہ کے نمائندہ کی حیثیت سے کشمیر آیا۔ تو اُسکے ہمراہ جو ذاتی عملہ تھا اُس کی غالب اکثریت امریکنوں پر مشتمل تھی۔ اِن میں اُس کا فوجی مشیر جنرل جیکب ڈیورس بھی جو امریکہ کے فیلڈ فورس کا سابقہ چیف تھا شامل تھا۔ شیخ عبداللہ کی نسبت برطانیہ کے اور امریکہ کے اخبارات کے رویہ میں ایک واضح تبدیلی رونما ہوئی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ شدید طور پر ان کا حدفِ ملامت بنا ہوا تھا۔ نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، نیویارک ہیرالڈ ٹریبون، لندن ٹائمز، مانچسٹر گارڈین اور ڈیلی ٹیلیگراف (لندن) جیسے اہم اخبارات نے شیخ عبداللہ میں دوستانہ دلچسپی لینا اور اُس کے کارناموں کی قدر کرنا شروع کیا۔ چند ایک مثالیں اس تبدیل شدہ

رویہ کی وضاحت کریں گی۔

ڈینس وارنر نے ڈیلی ٹیلیگراف مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۵۱ء میں لکھا تھا:۔

"وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ کی عبوری حکومت کے کارنامے اور کشمیری عوام پر ان کارناموں کے اثرات ایسی حقیقتیں ہیں، جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اُس کی حکومت نے ساڑھے تین سال کے عرصے میں ملک کو مہاراجہ کی ظالمانہ حکومت کے چنگل سے آزاد کرا لیا ہے۔ اور زرعی اصلاحات سے ہزاروں کسانوں کے دلوں کو جیت لیا ہے۔"

ایک دوسرا سنجیدہ امریکی نامہ نگار ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے واشنگٹن پوسٹ میں رقمطراز ہے:۔

"کشمیر کے کسی بھی دیہاتی باشندہ سے پوچھ لیجیے کہ اُسے ہندوستان سے ہمدردی ہے یا پاکستان سے؟ تو اُس کا جواب ہوگا ـــــ "میری ہمدردیاں شیخ صاحب کے ساتھ وابستہ ہیں" ـــــ کشمیر میں مسلمانوں کی ۲ : ۱ کی نسبت سے اکثریت ہے، لیکن وہی آبادی کی رائے کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر آج رائے شماری کی جائے، تو شیخ عبداللہ اور اُس کی پارٹی جو ہندوستان کی حامی ہے، جیت جائے گی۔

"کچھ حلقے شیخ عبداللہ کو ایک سربرآوردہ، بے باک سیاست دان اور کچھ اُسے فیض رساں قومی راہنما کہتے ہیں۔ ہر صورت میں کشمیر کے لوگ اُس کے ساتھ ہیں۔"

مانچسٹر گارڈین کا نامہ نگار خصوصی سری نگر سے (بتاریخ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء) لکھتا ہے:۔

"عام لوگوں پر، جن میں پاکستان سے الحاق چاہنے والے بھی شامل ہیں۔

شیخ صاحب کا جو اثر ہے اُسے کوئی شخص بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اُن پر شیخ صاحب کا یہ اثر نیا نہیں۔ وہ گزشتہ بیس سال سے مستقل مزاجی کے ساتھ شخصی حکومت کے خلاف لڑتا آیا ہے۔ جس کی پاداش میں اُسے آٹھ بار جیل میں بند کیا گیا۔ اِسی لیئے اُسے اپنے ملک میں غریبوں کا محافظ کہتے ہیں۔ اُس کی ایمانداری مسلمہ ہے، پولیس کا عملہ بہت ہی کم ہے۔ اور لوگ آزادی کے ساتھ حکومت پر تنقید کر سکتے ہیں۔ خود شیخ آزادی کے ساتھ عوام کے اجتماعوں میں گھُل مل جاتا ہے۔"

بیرونی پریس کے رویہ میں یہ تبدیلی اس بات کی دلیل نہیں کہ یا اخبارات اچانک طور پر صورت حال کو سمجھ گئے ہیں اور اُن میں ہمارے لئے دوستی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ شیخ عبداللہ کے منصوبے اچھی طرح سے کشمیر کی تقسیم اور مفاد پرست طاقتوں کی کشمیر سے متعلق اسکیموں پر منطبق ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بیرونی سفیروں، سفارت خانوں کے اراکین، ماہرین تعلیم اور اُن کے مقامی ایجنٹوں نے اُسے اپنا طرفدار بنانا شروع کیا۔

کشمیر میں بیرونی ایجنٹ

بہت سارے غیر ملکی ایجنٹ ریاست میں غیر ملکی طاقتوں کے معاونوں کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔ اور وہ کچھ تو چالاکی سے اور کچھ بھونڈے طریقوں سے اُن کی پالیسیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اُن لوگوں کو جو کشمیر کی اندرونی زندگی سے واقف ہیں، بخوبی معلوم ہے کہ ۱۹۴۷ء میں قیامِ آزادی سے پہلے برٹش ریزیڈنسی، ریاستی حکومت کی بلا واسطہ ملازمت کرنے والے انگریز افسر، کشمیر کے مستقل یورپین باشندے، عیسائی مذہب کی تبلیغی

جماعتیں اور تعلیمی اداروں کے اندر سیاسی عناصر اور سیاحوں کے بھیس میں غیر ملکی خبر رساں ایجنٹ، یہ سب کشمیر میں صورتِ حال کے ارتقا پر بہت اہم اثرات رہے ہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمہ تک یہ ایجنٹ زیادہ تر انگریزوں کے تھے۔

امریکہ نے جنگ کے آخری مرحلوں کے دوران میں ہماری ریاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔ جنوب مشرقی ایشیا میں امریکی فوجوں کے لئے کشمیر کو ایک بہترین آرام گاہ کے طور پر چُنا گیا۔ اور امریکہ کی برّی اور فضائی فوجوں کا بہت بڑا عملہ ریاست میں آیا۔ اگست ۱۹۴۶ء میں امریکہ کی نیشنل جیوگریفیکل سوسائٹی نے دولکنار وینزل کو تصویروں کے ذریعے ریاست کا سروے (SURVEY) کرنے کے لئے بھیجا اور اس نے جو تذکرہ نیشنل جیوگریفیکل میگزین میں پیش کیا، اُس سے ریاست میں اور خاص کر شمالی اور مشرقی سرحدی علاقوں میں (جو سوویت یونین، چینی ترکستان اور تبت سے ملحق ہیں) اُس کے تحقیقی سفر کا جامع طور پر مدعا واضح ہوا۔ اُس کے بعد ریاست ہائے متحدہ کے فوجی اور جنگی شعبہ کے دو افسر نکول سمتھ اور میجر لوٹبل کشمیر آئے۔ اِن دونوں نے کشمیر۔تبت۔سرحد کا جائزہ لیا۔ نکول سمتھ اپنی کتاب "سنہری دروازے سے تبت کا راستہ" میں لکھتا ہے:۔

"میرے دماغ میں ایک خیال سا سما گیا تھا۔ میں نے دوسری عالمگیر جنگ کے دوران میں مشرقی تبت کے پہاڑوں کے اوپر سے سی۔۴۷ (ہوائی جہاز) میں اکثر اُڑان کی۔ اور یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہوا کہ نیچے ہزاروں مربع میل کے اِس علاقہ میں جہاز اُتارنے کے لئے ایک بھی جگہ نہیں۔ کیا پیگانگ جھیل کا علاقہ بھی اسی طرح جہاز اُتارنے کے ناقابل ہے؟ میں یہی دریافت کرنا

چاہتا تھا۔" (صفحہ ۲۲۳)

پیگانگ جھیل کا علاقہ آدھا تبت میں ہے اور آدھا لداخ میں۔ سمتھ اُس کا معائنہ نہیں کر سکا۔ لہٰذا لوٹیل وہاں اکیلا ہی چلا گیا۔ اُسی کتاب میں (صفحہ ۲۲۴ پر) وہ لکھتا ہے:۔

"لورئین کے مشاہدہ سے اُسے یقین ہوا کہ کم از کم بیس میل تک اِس کے شمالی حصہ کی کم سے کم چوڑائی دو میل ہے۔ اور یہ کافی گہرا ہے، یعنی کہ ساحل تک۔

"لورئین نے اپنی جیب سے نامکمل یادداشت نکالی۔ اُس نے بتایا کہ جھیل کے اِس کنارے پر کئی میل لمبا ہوائی اڈا (RUNWAY) تعمیر کرنے کے لئے کافی جگہ ہے وہ اِس بات پر بضد تھا کہ درحقیقت وہاں پر کئی ایسے اڈوں کے لیئے گنجائش ہے۔ شمال مغرب کے پہاڑ کافی پست ہیں اور ہوائی جہاز زمین سے اُٹھنے کے بعد آسانی کے ساتھ اِن پہاڑوں کے اوپر اُڑان کر سکتا ہے۔

"ہم نے ایک دوسرے کی طرف خاموشی سے دیکھا۔"

کرنل سمتھ نے دوسری عالمگیر جنگ میں جنرل ڈونوہوان کے ماتحت کام کیا تھا جو امریکہ کے فوجی اطلاعات کے شعبہ میں بڑا عہدہ دار تھا اور فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشنز (FEDERAL BUREAU OF INVESTIGATIONS) کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتا تھا۔ ڈونوہوان بذاتِ خود ۱۹۵۰ء میں وارد کشمیر ہوا۔ اور کئی ہفتوں کے لیئے سرکاری مہمان کے طور پر یہاں ٹھہرا۔ اس طرح سے ریاست میں فوجی اہمیت کے پیشِ نظر مکمل سروے کی گئی ہے۔ اس کام میں اقوام متحدہ کے مبصروں (U.N. OBSERVERS) جن کی سرگرمیوں پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے، خصوصی طور پر مدد دی ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جنرل ڈونوہوان، جو دورانِ جنگ میں کرنل

نکول سمتھ کا افسر تھا، خود ۱۹۵۰ء میں ریاست آیا اور یہاں کئی ہفتے بطور سرکاری مہمان کے مقیم رہا۔

قابلِ اعتماد ثبوت سے ظاہر ہے کہ بہت سے غیر ملکی خبر رساں ایجنٹ مختلف بھیس بدل کر ریاست میں آتے رہے ہیں۔ یعنی انسانیات کے عالموں، مبلغوں، فوٹوگرافروں وغیرہ کے روپ میں یہ عناصر ریاست کے سرحدی علاقوں کا سروے کرنے کی غرض سے واردِ کشمیر ہوتے رہے ہیں۔ فوجی اور جنگی ہیڈ کوارٹر پر اُن کے اعلیٰ افسر عام طور سے یہ خیال کرتے ہیں کہ سوویت اور چین کے ہوائی اڈے، دفاعی جگہیں اور ایٹم بم کے مراکز سرحد کے اُس پار واقع ہیں۔ اس طرح سے وہ سمجھتے ہیں کہ کشمیر اور اُس کے سرحدی اضلاع جغرافیائی اور فوجی لحاظ سے سرحد کے اِس پار جارحانہ جنگی اڈے قائم کرنے کے لئے موزوں محل وقوع پر ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی بیشتر پوشیدہ تحقیقات کے دو مقصد ہیں:۔

(الف) دوسری طرف کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اُس کی تحقیقات اور تشخیص کرنا۔

(ب) ریاست کے حدود کی جغرافیائی اور فوجی افادیت کی تحقیقات اور تشخیص کرنا۔

ان غیر ملکی ایجنٹوں کو جو کام تفویض ہوئے ہیں۔ وہ اُنھیں اندرونی سیاسیات میں ٹانگ اڑانے سے دور ہی رکھتے ہیں، کیونکہ اس غرض کے لئے تو دیگر ذرائع مخصوص ہوتے ہیں۔ کیا جغرافیائی اور فوجی اطلاعات دینے والی ایجنسیوں کی کشمیر میں موجودگی اور اُن کی کارکردگی کے لئے شیخ عبداللہ پر تہمت لگانا صحیح ہوگا؟ وہ تو وہاں پر بہت وقت سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن جب شیخ قوم پرور اور خلاف سامراج رویہ سے بتدریج ہٹنے اور امریکہ کی طرفدار لائن اختیار کرنے لگا تو غیر ملکی ایجنٹوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے اور ہر ممکن طریقہ

سے زہر پھیلانے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ آخر کار وہ اِن غیر ملکی ایجنٹوں کے اتنا زیر اثر آگیا کہ اُس کی حرکتوں کے نتیجہ کے طور پر عوام پر مصیبتیں نازل ہوئیں۔

غیر ملکی باشندے

اگست ۱۹۴۷ء میں اقتدار کے منتقل ہونے کے وقت جب کشمیر میں ریزیڈنسی بند کی گئی تو بہت سے انگریز باشندے یہیں رُک گئے۔ ریزیڈنسی کے طریق کار کے مطابق وہ شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس دونوں کے مخالف تھے۔ سری نگر کلب اُن کے ملنے کی عام جگہ تھی، جہاں وہ گپ شپ اور مقامی سیاسیات پر بحث کیا کرتے تھے۔ عام طور سے وہ پاکستان کے حامی بنائے جاتے تھے۔ اور کلب میں جو گپ شپ اور افواہیں پہنچتی تھیں، اُن میں ربط پیدا کر کے وہ اپنے نوکروں کے ذریعے پروپیگنڈا کی لائن دیتے تھے۔ ہندوستان اور کشمیر کے کچھ بوڑھے افسر اور پنشن خوار اسی جگہ پر اپنے ملک اور اس کے حکمرانوں کے خلاف خیالات کا اظہار کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷-۴۸ء میں غیر ملکی باشندوں کا جو مشہور مقامی گروہ تھا، وہ لفٹننٹ کرنل اور مسز او، بی، آر، ڈِکے، کلب کے سکرٹیری، ڈاکٹر فل ایڈ منڈز، ڈاکٹر ایچ، جی، برکویئز، ریورنڈ مرفی اور مسٹر ڈی، ای، ڈیوس پر مشتمل تھا۔ انھوں نے مقامی شورش پسندوں کے ساتھ تعلقات قائم کئے۔ اور یہ سمندر پار اپنے دوستوں اور کشمیر آنے والے غیر ملکی سیاحوں کو اطلاعات بہم پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ غیر ملکی اخبارات میں جو مضر اور مخالف رپورٹیں شائع ہوئیں وہ انھی کے ذہنوں کی اختراع تھیں۔

۱۹۵۱ء سے دیکھا گیا ہے کہ کلب اور مقامی یورپین باشندے، جو انگریزی روایات رکھتے ہیں، کافی ضبط اور عقلِ سلیم کا مظاہرہ کرتے آرہے ہیں۔ جس کے

کہ وہ عادی نہیں تھے ۔ وہ شیخ عبداللہ سے ملنے لگے اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنا شروع کی۔ تاہم وہ پاکستان کی طرفداری اور اِس کے پروپیگنڈا سے باز نہیں رہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کلب گروپ میں سے جو بیشتر ایجنٹ اب یہاں رکھے گئے ہیں قابلِ اعتماد آدمی ہیں ۔ جولائی، اگست ۱۹۵۳ء کی ہلچل میں بہت سے مقامی غیر ملکی باشندوں کا رویّہ موجودہ حکومت کے خلاف تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مس ایڈنا ہیلی فونٹیبین کو ملک بدر کرنے کے بعد اُنھوں نے سبق سیکھا ہے۔ صرف ڈل گیٹ اور درگجن کے علاقے ابھی تک ایک مس سٹاور ائیڈز کے اثر سے آلودہ ہیں ۔ جس کے تعلقات اِس سے پیشتر یہاں کی ریزیڈنسی کے ساتھ وابستہ تھے۔ لیکن اب وہ تجارت کا کاروبار کر رہی ہے۔ وہ پیدائش کے لحاظ سے یونانی ہے اور گزشتہ جنگ سے پہلے نازیوں کے ساتھ اُس کے گہرے تعلقات تھے۔

غیر ملکی سیّاح

کشمیر سیر و سیاحت کا مُلک ہے ۔ اور یہاں جنگ کے آخری برسوں میں یورپین سیّاحوں کی تعداد ہر سال ۲۵۰۰۰ ہوا کرتی تھی ۔ یہ سیّاح کشمیریوں کے لئے آمدنی کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہیں ۔ اور ملک کی چہل پہل میں اضافہ کرتے ہیں ۔ لہٰذا ہم انھیں خوش آمدید کہتے ہیں ۔ مگر بدقسمتی سے اُن میں سے کچھ لوگ سیاسیات میں دخل دیتے ہوئے دیکھے گئے ہیں ۔ وہ مقامی لوگوں سے تعلقات قائم کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح سے غیر مطمئن اور بے ایمان عناصر سے ملتے ہیں ۔ وہ نہ صرف اِن غیر صحت مند عناصر سے اطلاعات حاصل کرتے ہیں ۔ بلکہ پاکستان کی حمایت میں سرگرمیوں اور خیالات کی حوصلہ افزائی بھی کرتے

ہیں۔ مقامی لوگوں کے ساتھ بات چیت کے دوران ہیں وہ یہ بات اُن کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کشمیر ہندوستان کے ساتھ تعلقات رکھ کر پاکستان اور اس کی مددگار مغربی طاقتوں، خاص کر امریکہ، کے دباؤ کی تاب نہیں لا سکتا۔ اُن میں سے بہت سے لوگوں کو اندھا دھند یہ پروپیگنڈا کرتے ہوئے پایا گیا ہے، کہ کشمیر کے لوگوں کو چینی اور روسی کمیونزم کا خطرہ ہے۔

کچھ غیر ملکی سیاح شیخ عبداللہ سے ملے اور انہوں نے اسی طرح اُس پر اپنا اثر ڈالنے کی کوشش کی۔ مس اے، ایل، سٹرانسبری۔ میجر بیلے۔ مسٹر ملٹن کلارک۔ مسٹر گیرالڈ ہیینلے۔ مسٹر ٹی، ڈبلیو، کرٹیز۔ مسٹر جے، ایم، سٹیڈلمین مس مریام ینگ اور مسز ای، ہوگن، جنہوں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ قریبی تعلقات رکھے۔ اُن کی سرگرمیوں سے عام لوگوں کے دلوں میں کافی شبہات پیدا ہوئے۔

اِن میں سے اکثر سیاح اتفاقاً امریکی تھے۔ تقریباً سات ہزار یورپین سیاحوں میں سے، جو ۱۹۴۷ء سے کشمیر آئے، تقریباً ۵۵۰۰ امریکی تھے۔ پہلے اِن کی جگہ برطانوی سیاح ہوا کرتے تھے۔ سوویت یونین، چین اور دیگر ممالک (جو اس بلاک سے منسلک ہیں) کا کوئی سیاح یہاں نہیں آیا۔ ان تمام حقیقتوں کو یکجا کر کے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہاں پر کس قسم کے غیر ملکی اثرات کارفرما رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ان امریکی "سیاحوں" میں سے بیشتر لوگ کسی نہ کسی نوعیت کے سیاسی مشن پر مامور کئے گئے تھے۔

قزاق

قزاقوں کے وطن چھوڑنے اور چینی ترکستان سے براستہ لداخ کشمیر آنے

کی دلدوز داستان انسانی مصیبتوں، قوتِ برداشت اور اعتماد کی ایک بہت بڑی کہانی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِن ہزاروں بے گناہ خانہ بدوش جرگوں میں سے، جنھیں چند متعصب جاگیردار روسی اور چینی جبر سے نجات دلانے کے بہانے اپنے ساتھ لے آئے، کشمیر کی جائے پناہ پر پہنچنے تک صرف ۲۸۰ زندہ رہے۔ کمیونسٹ "ظلم" کے افسانے کو بہت سے قزاقوں اور چینی ترکوں نے غلط قرار دیا۔ وہ اگر اپنے گھروں سے اکھڑ گئے تو اُرمچی کے قونصل جنرل پیکسٹن اور وائس قونصل ڈریزن (جو آج کل کابل کے امریکی سفارت خانے میں ہے) ایسے امریکی ایجنٹوں کی بدمعاشی کی وجہ سے۔ یہ قزاق وسط ایشیا کی نازک صورتِ حال کے بہتر بن ماہر ہیں۔ اور امریکنوں کی فوجی حکمتِ عملی یہ ہے کہ اُنھیں اور دوسروں کو پاراشوٹ (Parachute) کے استعمال کی تربیت دیکر بوقت ضرورت سوویت اور چینی ترکستان پر استعمال کیا جائے۔ انسانیت کے نقطۂ نظر سے ہر شائستہ انسان کو اُن کے ساتھ ہمدردی ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے بے ایمان سیاسی ایجنٹوں نے مبلغوں، ماہرین انسانیات اور ماہرین تعلیم کے روپ میں اپنے ناپاک سیاسی اغراض کے لئے اُن کی حالتِ زار کا ناجائز فائدہ اُٹھایا۔

جنوری ۱۹۵۰ء سے اکتوبر ۱۹۵۱ء تک اِن بدقسمت قزاقوں اور رِگاروں میں سے قریباً تین سو سری نگر آ پہنچے۔ اُن کے اہم لیڈر یہ تھے:۔ محمد امین بوگرہ سابقہ ڈپٹی گورنر سنکیانگ، مولوی قاسم دامُلا، سکریٹری چینی ترکستان نیشنلز، منور خواجہ، برگیڈیر، دلیل خاں، عیسیٰ یوسف آفندی الپتگین اور علی بیگ ان رہنماؤں میں سے اکثر بہت امیر تھے جو اپنے ساتھ سنٹرل ایشیا سے دولت لائے، اور جن کے قریبی تعلقات مارشل چیانگ کائی شیک کے ساتھ

تھے۔ غریب لوگوں کو صفاکدل کی سنٹرل الیشین سرائے میں جگہ دی گئی اور امیر آدمیوں نے شہر کے بہتر حصوں میں مکان حاصل کیے۔ حاجی عیسیٰ یوسف الپتگین سابقہ سکریٹری جنرل سنکیانگ نے اونچے عہدے کے غیر ملکی لوگوں کے ساتھ وابستگی قائم کی اور غیر ملکی سفارتوں کے اراکین کو سیاسی نوعیت کی رپورٹیں بھیجیں۔ اُس نے جنیوا میں شائع ہونے والے اخبار "ترکستان" میں سوویت یونین اور چین کے خلاف مضامین لکھے۔

سرائے صفاکدل بین الاقوامی امدادی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گئی۔ جس کے پس پشت غیر ملکی ایجنٹوں کی سیاسی سرگرمیاں تھیں۔ چین اور سوویت سے منسوب انسانیت سوز مظالم دکھانے کے لئے قزاقوں کی نمائش کی گئی۔ فری چائنا ریلیف ایسوسی ایشن کی طرف سے چائنا بینک کے ذریعے نیویارک سے قزاقوں کو امداد پہنچی۔ امریکہ کی نیشنل کونسل آف چرچ نے ڈونالڈ ای وی کے ذریعہ جو کہ ہندوستان میں نیشنل کرسچن کونسل کا ڈائرکٹر ریلیف ہے، امداد بھیجی نیشنل کرسچن کونسل کی ریلیف کمیٹی نے یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۵۳ء تک قزاقوں کی امداد اور از سرِ نو آباد کاری پر تقریباً -/۱۷۵۰۰ روپے صرف کیے۔ دی ایم ایس اسکول کے ڈاکٹر فل ایڈ منڈز کو امدادی سرگرمیوں کے لئے ہر ماہ تقریباً -/۵۰۰ روپے ملا کرتے ہیں۔ خدا جانے یہ تمام پیسہ کیسے خرچ کیا گیا ہے۔ قزاقوں کی تعلیمی اور کلچرل بہبود کے کام کی دیکھ بھال مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ آف دی یو، ایس، اے کا ملٹن کلارک کرتا تھا جس کے متعلق آپ آگے چل کر سنیں گے۔

ڈونالڈ ای، وی کے امریکی سفارت خانے کے ساتھ بہت گہرے تعلقات ہیں، اور امریکی سفارت خانے کی سوشل ویلفیر اٹیچی (Social

مس اویلین، ڈبلیو ہر سے اُس کے اتنی قریب ہے کہ (Welfare Attache)
وہ مل کر مکتوبات لکھا کرتے ہیں۔ ابتدا میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ قزاقوں کو کشمیر میں
زراعت اور تجارت کے پیشوں سے وابستہ کیا جائے۔ لیکن اُن کے لیڈروں
کے سیاسی پسِ منظر کے پیش نظر انھیں ٹرکی میں بسانے کا فیصلہ ہوا، ٹرکی
میں امریکی سفارت خانے کے ساتھ تعلقات چرچ ورلڈ سروس کی مس جون
سٹول کے ذریعے جاری رکھے گئے۔

ڈاکٹر ایڈ منڈز اور ملٹن کلارک نے شیخ عبداللہ کے ساتھ قریبی تعلقات
قائم کیے، شیخ نے تو ریاست میں، خاص کر محکمۂ تعلیم اور یونیورسٹی میں ایڈ منڈز کی
ہر ممکن سرپرستی کی۔ ابتدا میں انھوں نے شیخ عبداللہ کی انسان دوست جبلت
سے تقاضا کیا کہ وہ قزاقوں میں دلچسپی لے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اُس نے
نہ صرف سرائے صفاکدل کا معائنہ کیا بلکہ عیسیٰ یوسف الپتگین، دلیل خاں
علی بیگ وغیرہ سے اکثر ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کا مرکز راج باغ میں تھا۔
قزاقوں کی سیاسیات کو اپنانے کے لیے، شیخ عبداللہ کو آہستہ آہستہ ترغیب
دلائی گئی، اور اُن کے ساتھ اُس کا ایک پوشیدہ سمجھوتہ تھا کہ جب "خود مختار"
کشمیر کا منصوبہ اپنے وقت پر حقیقت بن کر پورا ہو جائے، تو شیخ عبداللہ
قزاقوں کو کشمیر میں آباد کرنے کے لیے مؤثر اقدام کرے گا۔ شیخ عبداللہ نے
قزاقوں، اُن کے لیڈروں اور اُن کی امداد اور آباد کاری کرنے والے امریکی
ذرائع کے ساتھ جو اس طرح سے ناتا جوڑا، اُس سے وہ سنٹرل ایشیا میں امریکہ
کی پالیسی کے بہت قریب آ گیا۔ اس حقیقت کو شیخ عبداللہ کے اپنے حلقے میں
اور امریکی سفارت خانے کے ساتھ جڑے ہوئے حلقے میں بھی تسلیم کیا گیا۔
بہر حال عام لوگوں کے دماغ پر یہی بات نقش ہوئی تھی۔ لیکن ہندوستانی عوام

کے ردِ عمل اور اپنے ساتھیوں کی روک تھام کی وجہ سے شیخ عبداللہ قزاقوں کے سلسلہ میں روگ اور دھر سے کی خواہشات کو پورا نہ کر سکا۔ جس پر انھوں نے اس کی بے چارگی پر "کافی ہمدردی" کا اظہار کیا۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کیا کہ "اس وقت کشمیر میں اپنے دیگر منصوبوں کو آگے نہیں چلایا جا سکتا"

ایڈمنڈز اور کلارک نے کشمیر آنے والے بڑے بڑے غیر ملکی سیاحوں کے لیے سرائے صفاکدل میں قزاقوں کی نمائش کرنا اپنا فرض منصبی بنایا۔ اقوام متحدہ کے مبصرین گروہ کے ممبران نے بھی قزاقوں کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کیے۔ امریکہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کا لیڈر اڈلائی اسٹیونسن جب کشمیر آیا تو اُس نے سرائے صفاکدل کا بھی معائنہ کیا اور قزاقوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کیا۔ اُس نے عیسیٰ یوسف آفن دی الپتگین کے ساتھ بحث و مباحثہ کئے اور قزاقوں کے ایک گروہ کے ساتھ، جس میں عیسیٰ الپتگین بھی شامل تھا، تصویر کھنچوائی۔ ایڈمنڈز اور ملٹن کلارک نے تو صفاکدل میں قزاقوں کے مقدس "کیمپ" کی یاترا میں اسٹیونسن کی راہ نمائی کا فریضہ ادا کیا۔ ان دو حضرات کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر فل ایڈمنڈز

ڈاکٹر فلپ مارٹن ایڈمنڈز اور اُس کی بیوی مسز جون ازابل ایڈمنڈز اب چھ سال سے زیادہ عرصہ سے کشمیر میں مقیم ہیں۔ اس دوران میں وہ ۱۹۵۰-۵۱ء میں صرف چھ مہینے کے لئے رخصت پر آسٹریلیا گئے۔ ایڈمنڈز کو لندن مشن نے سی ایم ایس اسکول شیخ باغ سری نگر میں بطور پرنسپل بھیجا تھا۔ اُس کے عام فرائض وہی ہیں جو ایک عیسائی مبلغ اور ماہر تعلیم کے ہوا کرتے

ہیں۔ لیکن اُس نے اپنے اِس عہدے کو مختلف سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا جس میں وہ بڑا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اُس نے یہ مہارت موجودہ روحانی ذمہ داریوں سے پہلے برٹش اینٹلی جنس کور (British Intelligence Corps) کے ساتھ کام کرنے سے حاصل کی ہے۔

ایڈمنڈز نے طلباء، اُستادوں اور اپنے جان پہچان کے لوگوں میں پاکستان کی حمایت میں خیالات ظاہر کر کے اپنی سیاسی جانبداری کا احساس دلایا۔ اور یہاں تک کہ اُس نے ۱۴، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستانی جھنڈا بھی لہرایا۔ قبائلی و پاکستانی حملہ کے بعد ہی ملک میں جو قومی اُبھار پیدا ہوا اُس کے دوران میں اگرچہ وہ پسِ پردہ رہا، لیکن عیسائی مبلغوں، کشمیر میں یورپین باشندوں، مشن اسکول کے اسٹاف اور پاکستان کے حمایتی افراد اور گروہوں کے ذریعے اُس نے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے خلاف ایک قسم کی نفسیاتی جنگ منظم کی۔ وہ ۱۹۵۰ء میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کے گروہ، خاص کر جنرل نمو اور آسٹریلوی ممبروں کے ساتھ تعلق رکھنے سے زیادہ مشہور ہو گیا۔ اُس نے سر اوون ڈکسن کے ساتھ، جو کہ اُس کا ہموطن اور کشمیر میں اقوام متحدہ کا مصالحت کنندہ تھا، اپنا تعارف کرایا۔ ڈِکسن کے ساتھ اُس نے گہرے تعلقات پیدا کئے۔ اور بند کمروں میں اُس کے ساتھ بڑی لمبی کانفرنسیں کرتا رہا۔ معقول وجوہات کی بنا پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مقامی حالات کے متعلق ڈِکسن کے جو خیالات تھے، اُن کی تحریک ایڈمنڈز کی فراہم کردہ اطلاعات سے ہوئی تھی۔

ڈِکسن کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے وہ شیخ عبداللہ کے بہت قریب

آیا۔ جس نے پوشیدہ طور پر ڈکسن کے اُس ترمیم شدہ فارمولا کی حمایت کی جس کی رُو سے اُس کے اقتدار کے ماتحت ”خود مختار“ کشمیر قائم ہو سکتا۔ ۱۹۵۰ء سے شیخ عبداللہ نے ایڈمنڈز کے ساتھ ذاتی وابستگی قائم کی اور اُسے کشمیر یونیورسٹی میں اور وزارتِ تعلیم کی دیگر غیر محکمانہ سرگرمیوں میں خوب اُچھالا۔ ایڈمنڈز کے ناگوار رویہ اور سرگرمیوں کے پیشِ نظر ۱۹۵۱ء میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ رخصت ختم ہونے کے بعد اُسے کشمیر واپس آنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن شیخ عبداللہ اُس کے لیے ہمیشہ حکّام کی راہ میں حائل رہا اور وہ قبل از وقت ہی لوٹا۔ شیخ عبداللہ کے چند اہم مشیر اور قریبی متعلقین مثلاً مسٹر اور مسز بی، پی، ایل، بیدی۔ مسٹر جی، اے، عشائی (سابقہ رجسٹرار یونیورسٹی) اور محکمہ تعلیم کے کچھ سینیئر افسران کے اس کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔ یہ سارا گروہ یا تو ”خود مختار“ کشمیر کی حمایت کرتا تھا یا شیخ کے نظریہ اور پالیسی کو پاکستان کی راہ، پر ڈال دیتا تھا۔ مسٹر عشائی، اور ایڈمنڈز کا آپس میں روزانہ میل ملاپ تھا۔ اور کبھی کبھی وہ رات گئے، تک اکٹھے رہا کرتے تھے، جنرل نِمو کے بعد ایڈمنڈز کا یو، این، مبصرین کے گروہ میں سے اگر کسی کے ساتھ زیادہ تعلق تھا تو وہ ایک شخص میجر اسکاٹ تھا جس کی بیوی کو ایڈمنڈز نے اپنے سکریٹری کے طور پر ملازم رکھا۔ ایڈمنڈز، مسز اسکاٹ اور مسٹر عشائی اکثر رات کے وقت دستاویزات وغیرہ تیار کرتے ہوئے، دیکھے گئے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کاغذات مبصرین کے ذریعے پاکستان بھیجے جاتے تھے۔ میجر اسکاٹ کی تبدیلی کے بعد لفٹننٹ کرنل مرفی مبصرین کے ملٹری ایڈمنسٹریٹو آفیسر کی حیثیت سے سری نگر آیا اور مسز اسکاٹ کی جگہ مسز مرفی ڈاکٹر ایڈمنڈز کی سکریٹری

بن گئی۔ جنرل ہُو کے ایام میں نیوزی لینڈ کے ایک مبصر میجر مورس بروِن نے ریاست کی تمام فوجی اور جنگی اہمیت کی سرحدوں کی تصویریں اُتاریں اور ایڈ منڈز نے لیہہ، کرگل، بانڈی پور اور منتقل کی دوسری جگہوں کے عیسائی مبلّغوں کے ساتھ اُس کا تعارف کرایا۔

ایڈ منڈز نے کاغذات کے پلندوں کے پلندے سبز ربن (Ribbon) والے ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کیئے، جو کہ اقوام متحدہ کے مبصرین اس کے لئے پاکستان سے بطور تحفہ لائے تھے۔

امریکہ کی چرچ ورلڈ سروس کی طرف سے ایڈ منڈز نے قزاقوں کی امداد کے سلسلہ میں جو تعلقات قزاق لیڈروں ـــــ عیسیٰ الپتگین، دلیل خاں، امین بوگرہ، علی بیگ اور دوسروں کے ساتھ قائم کیئے تھے، اُن کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ معلوم نہیں کہ ایڈ منڈز جو ہر ماہ چار پانچ ہزار روپے کی رقم وصول کرتا ہے، کیسے تقسیم کرتا ہے۔ لیکن اس میں سے اچھی خاصی رقم اُن اشخاص کو دی گئی ہے جو سیاسی طور پر ناپسندیدہ ہیں۔ ان رقوم کے خرچ کا حساب دینا مسٹر روگ، امریکی سفارت خانے کی سوشل ویلفیر اٹیچی مس ہرسے، اور چرچ ورلڈ سروس کے دیگر نمائندوں کا کام ہے۔ ایڈ منڈز کے قزاقوں میں کام کرنے سے اس کے تعلقات ملٹن کلارک اور بہت سے دوسرے امریکیوں کے ساتھ، جو سنٹرل ایشیا میں امریکہ کی پالیسی چلا رہے ہیں، بڑھ گئے۔ ایڈ منڈز اور کلارک نے نہ صرف ورلڈ چرچ سروس اور امریکی سفارت خانہ کی قزاق ویلفیر کارروائیوں کے "امدادی" اور "کلچرل" پہلوؤں کی دیکھ بھال کی بلکہ وہ قزاقوں کے انفرادی اور گروہ دار جھگڑوں کے بھی فیصلے کرتے رہے اور انہیں مکمل سیاسی لائحۂ عمل سے بھی واقف کیا۔ روگ اور مس ہرسے

کے علاوہ ایڈ منڈز امریکی سفارت خانے کے فرسٹ سکریٹری مسٹر رچرڈ کیچ اور اسی سفارت خانے کے مسٹر اور مسز ایڈ مز کے ساتھ بھی منسلک تھا ہیر سے، کیچ، مسٹر اور مسز ایڈمز اور روگ نے کئی بار، خاص کر ۱۹۵۳ء کی گرمیوں میں، کشمیر کے چکر لگائے۔ مسز ایڈمز نے ڈاکٹر ایڈ منڈز کے ذریعہ کشمیر میں ٹھہرنے کا انتظام کروایا۔ اور ہاؤس بوٹ "کلیر مانٹ" اُن کی تمام سازشوں کا مرکز بن گیا۔

جولائی ۱۹۵۳ء کے وسط میں روگ اور ہیر سے نے ایک مشترکہ مکتوب ایڈ منڈز کے نام بھیجا۔ اُس میں اُنھوں نے کشمیر میں اُلجھی ہوئی اور مشکل صورتِ حال کا واویلا کیا اور ایڈ منڈز سے صورتِ حال کی تشخیص اور اُس کا مشورہ طلب کیا۔ اگست ۱۹۵۳ء میں روگ کچھ دیر کے لئے ٹرکی میں تھا اور اُس نے ایڈ منڈز کو ایک مختصر سا پُر اسرار پیغام بھیجا ــــ "مشن کامیاب" ٹرکی میں چرچ ورلڈ سروس کی نوعیت کی ایک جماعت اور امریکی سفارت خانے کے ساتھ روگ کے قریبی تعلقات ہیں۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ قزاقوں کی آبادکاری کے علاوہ روگ کا وہاں کیا مشن ہو سکتا تھا۔

جب اڈلائی اسٹیونسن کشمیر آیا تو ملٹن کلارک اُس سے ملنے میں ایڈ منڈز پر سبقت لے گیا ــــ بہر حال ایڈ منڈز بھی اسٹیونسن سے ملا اور جب شیخ عبداللہ امریکہ کے اس لیڈر کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا تو ایڈ منڈز کو بھی چائے پر بُلایا گیا۔

اِس عیسائی مبلّغ اور ماہر تعلیم کے اس مختصر سے تذکرہ سے ظاہر ہے، کہ اُس کے اصلی فرائض کی نسبت اُس کی دوسری سرگرمیوں کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ اُس کے پاکستان کے طرفدار اشخاص کے ساتھ تعلقات اور پروپیگنڈا پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بڑی رقمیں، دودھ، کپڑے، اناج اور

دیگر ضروری اشیاء، جو امدادی فنڈ کے لئے آئی تھیں، سیاسی طرفداروں کو چلی گئیں۔ غیر ملکی سیاحوں، اخبار نویسوں، سفارت خانے کے اراکین، مبلغوں اور دیگر لوگوں کو کشمیر کے حالات سے متعلق غلط اطلاعات دی گئی ہیں۔ ریاست کے مفاد کے خلاف اطلاعات جنگ بندی لائن کے اُس پار اور دوسری جگہوں کو بھیجی گئی ہیں۔ سب سے بڑی ناپاک کرتوت یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کے دماغ کا رُخ ایسے اغراض کی طرف موڑا گیا جو قوم کے کاز کے ساتھ "ہولناک غداری" کے مترادف ہیں۔ چونکہ اقوام متحدہ کے مبصروں، ڈکسن، اسٹیونسن، قزاقوں، ملٹن کلارک، ڈونالڈ روگ، ہیرے، ایڈمز، بیچ، عشائی، بیدیوں کی جوڑی، ایم، آر، اے اور دوسرے بہت سارے لوگوں کے ساتھ ایڈمنڈز کے تعلقات اور اُن کی سرگرمیوں کا سیاسی نظریہ کشمیر کے ساتھ مخالفت کا تھا۔ اس لئے، ہمارے سابقہ قومی راہ نُما شیخ محمد عبداللہ کے دماغ کو بگاڑنے میں اُن کا نمایاں حصہ تھا۔ اور جو ریاست کے لئے پُر خطر اور تباہ کُن نتائج کا حامل تھا۔

ملٹن کلارک

ملٹن جے کلارک ذرا دیر سے یعنی مورخہ ۱۴ر اگست ۱۹۵۲ء کو سری نگر آیا۔ وہ کشمیر میں تقریباً ایک سال کے لئے، رہا اور وہ اس دوران میں کشمیر میں سازش کرنے والے غیر ملکی ایجنٹوں کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی بن گیا۔ بہت سی باتوں میں وہ ایڈمنڈز کی نسبت زیادہ "شیریں بیاں" اور چالاک تھا اور اُس کے کام کی تکنیک جدید تر تھی۔ اُس نے زیادہ تر رپورٹیں اور پیغامات ٹیپ ریکارڈر (TAPE RECORDER) کے ذریعے بھیجے اور ریاست کو وسط ایشیا

اور تبت سے ملانے والے سرحدی علاقہ کے خاص حوالہ کے ساتھ ریاست کی ایک جامع سماجی اور سیاسی تحقیقات کی۔

ظاہراً تو وہ ایک ماہر النسانیات تھا، جو ہارورڈ یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کے لئے قزاقوں پر ایک مقالہ لکھ رہا تھا اور جسے اس کام کے لئے امریکہ کے ادارۂ مشرقِ وسطیٰ سے فیلوشپ کی مزید امداد مل رہی تھی۔ اُس نے یہاں آپہنچنے کے فوراً ہی بعد قزاق لیڈروں کے ساتھ، خاص کر راج باغ میں اپنے پڑوسی عیسیٰ یوسف الپتگین کے ساتھ نزدیکی رابطہ قائم کیا۔ اُس نے سرائے صفاکدل میں اپنی سرگرمیوں کو منظم کیا جہاں کہ اُس نے قزاقوں اور اُن کے بچوں کو تعلیم دینا شروع کی۔ ایڈمنڈز اور روگ کے علاوہ جن لوگوں نے اُس کے ساتھ مل کر کام کیا وہ مسٹر ایس، پی، ہون اور مسٹر جی، سی روبر ینیز تھے۔ جن کے تعلقات پُراسرار ہیں۔ اور جن کا سیاسی ماضی مشکوک ہے۔ کلارک نے قزاقوں کے بیان اور دستاویزات تیار کرکے اُنھیں اپنی تنظیم بنانے میں مدد دی۔ زیادہ رازدارانہ بات چیت کے لئے وہ قزاق لیڈروں کو شہر سے باہر شالہ مار اور ہارون لے جایا کرتا تھا۔ وہ قزاقوں کی فلم تیار کرنے کے لئے انھیں سونہ مرگ پہاڑ کی تفریح گاہ پر بھی لے گیا اور اُس وقت اُن میں یہ گمان پیدا کیا کہ اِس تمام کارروائی میں شیخ عبداللہ بھی موجود ہوگا۔

وہ اپنی خوبصورت بیوی کو ساتھ لے کر شیخ عبداللہ سے اکثر ملنے جایا کرتا۔ اور قزاقوں کے معاملہ کے علاوہ اُس کے ساتھ سنٹرل ایشیا کی سیاست اور امریکہ کی خارجی پالیسی پر بحث کرتا۔ امریکہ میں اُس کے اہم تعلقات ایسے اشخاص کے ساتھ تھے جو ری پبلکن پارٹی کی مشرق بعید کی لوبی (Lobby)

کے ساتھ منسلک تھے۔ اُس نے مسز ایلف برن ہم کے ذریعے سکرپس — ہارورڈ کے اخبارات کو رپورٹیں بھیجیں۔ مسز ایلف برن ہم سوویت کے خلاف مضامین کے لیۓ اہم ذریعہ تھی۔ جن میں سے کچھ مضامین میں ہندوستان اور کشمیر کا حوالہ دیا گیا تھا۔ کلارک نے کرسچین سائنس مونیٹر کے اوورسیز نیوز ایڈیٹر مسٹر جوزف ای، ہریسن کے ساتھ بھی تعلقات قائم رکھے، جس نے کہ چینی وسط ایشیا میں موجودہ صورت حالات کے متعلق اطلاع طلب کی تھی۔

جب ایڈ لائی اسٹیونسن کشمیر میں تھا تو ملٹن کلارک اُس کے بالکل قریب آگیا۔ اور اُن دونوں نے اکٹھے جاکر سرائے صفاکدل میں قزاقوں سے ملاقات کی۔ کلارک کو اپنے دوستوں سے "نئی جان پہچان" کے لیۓ الیانوس سے اور "ایڈ لائی کے ساتھ کامیابی" کے لیۓ تہنیت کے خطوط ملے۔ کلارک نے ایشیا کے مختلف حصوں میں امریکہ کے بہت سے فل برائٹ اسکالروں اور نیویارک میں کچھ قزاق طلبار کے ساتھ تعلقات کے دوران میں ظاہر کیا کہ اُس کی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان اور ایشیا میں امریکہ کی پالیسی پر روشنی ڈالنے اور اس کی سمجھ پیدا کرنے کے لیۓ کوئی شخص آجائے۔ اُس نے امریکی سفارت خانوں کے سارے اراکین کے ساتھ، جن کے نام ایڈمنڈز کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں لیۓ گئے ہیں، دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔

یہ مبلّغ

جموں اور کشمیر کے صوبوں اور لداخ کے ضلع میں غیر ملکی عیسائیوں کی تبلیغی اداروں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ اِن میں سے بہت سوں کی نگہداشت برٹش چرچ مشن سوسائٹی کرتی ہے اور باقی اداروں کی، جن میں لداخ کا

موراوئین مشن (Moravian Mission) بھی شمال ہند دیکھ بھال امریکی کرتے ہیں۔
لیکن اب وہ ایک متحدہ تنظیم کے تحت کام چلاتے ہیں۔ اِن تبلیغی انجمنوں میں اکثر
نے تعلیم اور علاج معالجہ سے متعلق اچھے اچھے کام کئے۔ اور بسکو کے مدرسے
ہر جگہ اس کے لئے مشہور ہیں۔ لیکن وہ کھُلے بندوں اور پوشیدہ سیاسی سرگرمیوں
سے کبھی باز نہیں رہے۔ اور بہت سارے غیر ملکی خبر رساں ایجنٹوں نے
گرجوں کے کام کا لبادہ اوڑھ کر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ انگریزی حکومت
کے دوران میں تو سامراجی نقطۂ نظر سے پادریوں کی سیاسی سرگرمیاں کچھ
حق بجانب تھیں۔ ان میں سے کچھ سیاسی شغل رکھنے والے مبلّغوں نے اب تک
اپنی ذہنیت کو نہیں بدلا۔ اور وہ نہ صرف اعصابی جنگ کو پھیلاتے ہیں بلکہ
مقامی سیاست میں بھی دخل دیتے ہیں۔ وہ عام طور پر اپنے اپنے ملکوں کی
پالیسی پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ اُن میں سے کچھ لوگ اِس کے برعکس بھی کرتے
ہیں۔ یہی حال آسٹریلوی چرچ مشن کے لئے کام کرنے والے ایڈ منڈز کا بھی
ہے۔ جس نے اپنے تئیں مکمل طور سے امریکی ایجنٹوں اور اُن کی پالیسی سے
وابستہ کیا ہے۔

صوبہ جموں میں جموں شہر، بٹوٹ، کشتواڑ اور بھدرواہ میں ان عیسائی
تبلیغی جماعتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ قصبے اور مرکز جموں صوبہ سے متعلق غیر ملکی
جنگی اور فوجی منصوبوں کے ساتھ ضروری طور پر منسلک ہیں جیسا کہ ڈکسن کی
تجاویز سے ظاہر ہے۔ جن میں خاص طور پر دریائے چناب کا حوالہ دیا گیا ہے۔
اِن تبلیغی اداروں کا انتظام امریکی گرجے کرتے ہیں اور یہاں بائیبل سوسائٹیں
اور اس قسم کی دوسری جماعتوں کے لوگ اکثر آتے رہتے ہیں۔ ان میں کچھ
غیر ملکی خبر رساں ایجنٹ پائے گئے ہیں، جن کے ساتھ تقریریں ریکارڈ کرنے

فوٹو اُتارنے اور فلم اور دوسری چیزوں کا سامان ہوا کرتا ہے۔ پرجا پرشید کی شورش کے دنوں میں مسز سٹانسبری کو، جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، مبلغوں کے بھیس میں ان ایجنٹوں کے ساتھ کھُل کھیلتے دیکھا گیا۔ صوبہ جموں میں عیسائیت کی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کر دینا گزشتہ سالوں میں ایک نئی صورتِ حال ہے۔

پچھلے برسوں میں عیسائی مبلغوں میں جو سیاسی گروہ کام کرتا تھا، وہ مسٹر ایڈمنڈز، ریورنڈ مرفی، ریورنڈ میکلالین تھامس، ریورنڈ ہٹنگا نکلسن، فادر شینکس، مس ولسن، مس ہیبرلیبن، مسٹر اور مسز میزونی، مس وامزے، مس ڈریو، مس اشبے اور ریورنڈ انتھونی سپیر پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر ایڈمنڈز نے اس گروہ کے راہنما کے طور پر کام کیا اور اُنھیں سیاسی لائن دی۔ اُنھوں نے عام طور پر پاکستان کی حمایت میں پروپیگنڈا کرنے میں حظ اُٹھایا اور ایڈمنڈز کے کہنے کے مطابق ان میں سے کچھ تو معصومیت کی حد تک یہ خیال کرتے تھے کہ برطانیہ اور امریکہ کی امداد سے کشمیر آخرکار پاکستان کا حصّہ بنے گا۔ ویسے تو برطانوی گروہ نے چوکنّا اور محتاط رہنے کی کوشش کی حالانکہ انھیں یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ کشمیر کو چین اور سوویت یونین کی کمیونزم سے خطرہ ہے۔ قزاقوں کے دُکھ درد کو یہ کہہ کر بڑی اہمیت دی گئی کہ یہ کمیونسٹوں کے جبر و تشدد کا نتیجہ تھا۔ ان مبلغوں نے اپنی سرگرمیاں سری نگر، اننت ناگ، بارہ مولہ اور سوپور کے علاوہ فوجی اور جغرافیائی اہمیت کے مراکز —— بانڈی پور، سانگلیمن، کرگل اور لیہہ (لداخ) میں جاری رکھیں۔ امدادی ضروریاتِ زندگی مثلاً دودھ، خوراک، کپڑے، ادویات اور نقد روپوں کو تقسیم کرنے کی بجائے سیاسی مدعا کے لیے استعمال میں لایا گیا۔

چرچوں کی سالانہ کانفرنسیں عموماً گرمیوں میں شیخ باغ مشن اسکول کے

احاطے میں منعقد کی جاتی ہیں۔ جہاں پر مذہبی تقریریں کی جاتی ہیں اور بحث و مُباحثے ہوتے ہیں۔ ان اجتماعوں میں عام طور پر ہندوستان یا پاکستان کا کوئی برگزیدہ چرچ لیڈر خطاب کرتا ہے۔ اگرچہ تقریریں زیادہ تر مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں لیکن پھر بھی کیمونزم پر عام طور سے اور کیمونسٹ ملکوں پر خاص طور سے حملے کئے جاتے ہیں۔ اِن مذہبی کانفرنسوں کے دائرۂ عمل میں بھی یہ مبالغہ آمیزی کی جاتی ہے کہ ہندوستان، پاکستان، اور کشمیر کو کمیونسٹوں کی طرف سے خطرہ ہے۔

امریکہ کی چرچ ورلڈ سروس کے متعلق ڈونالڈ روگ اور ایڈمنڈز کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ سروس اِن تبلیغی اداروں کے ذریعہ دودھ، خوراک وغیرہ کی صورت میں امدادی اشیاء تقسیم کرتی ہے۔ یہ امداد ہند ـــــ امریکہ معاہدہ کے تحت اِن واضح پابندیوں کے ساتھ دی جاتی ہے کہ امدادی اشیاء کی تقسیم کے لئے حکومت کے مقرر کردہ شرائط اور ضابطہ پر عمل کیا جائے گا۔ اور سرکاری افسروں کو اِن منصوبوں اور سرگرمیوں کے بارہ میں مطلع کیا جائے گا۔ بہر حال، ایسی کوئی اطلاع کشمیر کے سرکاری ملازمین کو نہیں بھیجی جاتی ہے۔ دوسری طرف سے ہندوستان کے ہوم منسٹر ڈاکٹر کاٹجو نے غیر ملکی مبلغوں کی سرگرمیوں پر حال ہی میں جو بیان پارلیمنٹ میں دیا ہے، اُسے ان مبلغوں نے ہندوستان کے خلاف پروپگینڈا کا موضوع بنا لیا ہے۔

اقوام متحدہ کے مُبصرین کا گروہ

جنگ بندی معاہدہ کے بعد ہی ۱۹۴۹ء میں اقوام متحدہ کے مبصرین کا گروہ

کشمیر میں لایا گیا۔ موجودہ چیف ملٹری آبزرور میجر جنرل بی، ایل، ڈی، رائڈر کے بیان کے مطابق یہ مبصرین "یکم جنوری ۱۹۴۹ء کے جنگ بندی معاہدہ کو نافذ کرانے میں ہندوستان اور پاکستان کے ملٹری افسروں کی امداد کی واحد غرض سے کشمیر میں ہیں۔ رائڈر کہتا ہے "اِن مبصرین کا کام ہر دو فریقین کی اُن شکایتوں کی تحقیقات کرنا ہے، جن میں معاہدہ کی خلاف ورزی کا الزام دیا گیا ہو، اور اُن کا فرض اصل واقعات دریافت کرنا ہے۔ اُن کے کوئی سیاسی فرائض نہیں۔ اور اُن کو ہدایت دی گئی کہ وہ کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیں۔"

اب رہا سوال کہ کیا مبصرین اپنی سرگرمیوں کو اپنے حقیقی فرائض تک محدود رکھتے ہیں اور کیا وہ اپنی (PUBLIC INSTRUCTIONS) ہدایات کے مطابق کام کرتے ہیں؟ اس مختصر سے بیان سے واضح ہوگا کہ وہ ہدایات پر عمل کرنے میں نہیں بلکہ ہدایات شکنی ہی میں ہدایات کی عزت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انھیں دوسری خفیہ ہدایات ملی ہیں۔

ہم نے اس سے پیشتر ایسی سرگرمیوں کا حوالہ دیا ہے، جن میں جنرل ڈیلوائے نے دخل دیا تھا۔ بہت سے دوسرے مبصرین کی ناجائز کرتوت کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے یعنی انھوں نے ہوائی جہاز یا سڑک کے ذریعہ جنگ بندی لائن کے آر پار پاکستان سے مال درآمد کرنے یا برآمد کرنے میں حصہ لیا ہے۔ یہاں تک کہ فوجی کینٹینوں (CANTEENS) سے رعایتی نرخوں پر مال خریدا گیا اور جنگ بندی لائن کی دونوں طرف بازاروں میں گنے چُنے آدمیوں کو بیچا گیا۔ اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ خطوط، چھوٹے چھوٹے پارسل اور پیغامات دونوں طرف آتے جاتے رہے ہیں۔ اور اس طرح

سے مبصرین کے گروہ نے سفارتی آزادی کی شدید توہین اور اس کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ اگر غیر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے اور دخل دینے کی اجازت دی بھی جائے، تو بھی ایسی سرگرمیوں کے پسِ پشت واضح سیاسی تعلقات رہے ہیں۔ اس قسم کی شہادت مل گئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ دونوں نے ان مبصرین کے ذریعہ پاکستان اور "آزاد" کشمیر کے سیاسی عناصر کے ساتھ ناتا جوڑ رکھا تھا، سرحد کے اُس پار کے یہ تعلقات غیر رسمی طور پر رکھے گئے، تھے اور خطوط دیگر اشخاص کے نام پر آتے جاتے رہے۔

ہندوستان کے علاقے میں ان مبصروں کے ہیڈکوارٹر جموں اور سری نگر میں ہیں اور جنگ بندی لائن کی اُس طرف پاکستان کے علاقے میں یہ ہیڈکوارٹر راولپنڈی میں رکھے گئے ہیں۔ ہمیں صرف ہندوستان کے تحت کے علاقے میں اُن کی سرگرمیوں کی اطلاع ملتی ہے۔ اُنھیں ریاست کے تمام سرحدی علاقوں، فوجی اور جغرافیائی اہمیت کی جگہوں (Utility Services) کی تصویریں کھینچتے اور سروے کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ وہ جنگ بندی لائن سے بہت دور سری نگر اور دوسرے شہروں میں اپنا زیادہ تر وقت صرف کرتے ہیں۔ وہ شہریوں کے ساتھ، خصوصاً پاکستان کا کام کرنے والے افراد کے ساتھ تعلقات قائم کرتے پھرتے ہیں۔ جن دوکانداروں سے وہ سودا سلف خریدتے ہیں اور جو غالباً جنگ بندی لائن کے اُس پار والوں کے ساتھ ناجائز تجارت کرتے ہیں، وہ عموماً پاکستان کے طرفدار ہیں۔

اُنھوں نے ڈاکٹر ایڈمنڈز اور اُس کے متذکرہ بالا گروہ کے ساتھ قریبی رشتہ قائم کیا ہے، جن کے ذریعہ وہ غیر ملکی نامہ نگاروں، سیاحوں،

سفارتی اراکین اور ایسے بہت سے لوگوں سے ملا کرتے ہیں۔ اِس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کشمیر سے متعلق بہت ساری رپورٹیں جو غیر ملکی حلقوں میں جاتی ہیں، انھیں خبر رساں ذرائع نے پہلے ہی جھوٹ سے آلودہ کر دیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ قزاقوں، قزاق لیڈروں اور بنوع دیگر اُن سے وابستہ لوگوں میں جو ناجائز دلچسپی رکھتے ہیں، وہ ایماندار شہریوں میں بھی لازمی طور پر شبہات پیدا کرے گی۔

بہت سے مبصرین اُن ملکوں سے آئے ہیں، جنھوں نے سلامتی کونسل میں ہندوستان کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ کیا ہے۔ یکم ستمبر ۱۹۵۳ء کو کشمیر میں اِن مبصروں کی تعداد پچاس تھی۔ جن میں سے ۲۴ امریکہ کے، ۷ آسٹریلیا کے، ۶ کینیڈا کے، ۳ بلجیئم کے، ۲ سویڈن کے، ۳ نیوزی لینڈ کے، ۲ ڈنمارک کے، ۲ چلی کے، ۱ یوراگوے کے تھے۔ یہ بات صاف ہے کہ یہ مبصرین امریکہ اور اُس کے آنزوس اور اطلانتک اتحادیوں کے ذریعہ سے آئے ہیں۔ یہ لوگ عموماً ماہرینِ جنگ ہیں اور بڑے عہدوں والے افسر ہیں۔ پچاس مبصرین کے عہدے، اِن کے انچارج جنرل کو چھوڑ کر، ذیل میں گنوائے جاتے ہیں۔

کرنیل ـــــــ ۴

لفٹننٹ کرنل ـــــــ ۱۲

میجر ـــــــ ۲۰

کیپٹن ـــــــ ۴۰

کمانڈنٹ ـــــــ ۲

(یہ بلجیم کے ہیں)

لفٹننٹ ـــــــ ۱

سرجنٹ ـــــــ ۴

لفٹننٹ کمانڈور ۱

کمانڈور ۱

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بڑے سینیئر افسروں کا گروہ ظاہرا طور پر تو جنگ بندی لائن کی دیکھ بھال کرتا ہے لیکن در حقیقت، دوسری سرگرمیوں میں لگا رہتا ہے۔ مبصروں کے اِس گروہ کو امریکی ہوائی فوج کے ہوائی جہازوں کے ذریعہ آمدورفت کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ یہ ہوائی جہاز سری نگر اور راولپنڈی کے ہوائی اڈوں پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہ اِن ہوائی جہازوں کو ان کے ہیڈکوارٹر پر وائرلیس ٹرانسمشن کے طاقتور سیٹوں سے لیس کرتے ہیں جنکے ذریعہ وہ اپنے آقاؤں کو ہر بات سے بخوبی واقف رکھتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے فوجی حکام نے اپنے اپنے علاقائی حدود کے اندر اُن کی آمدورفت کے لئے گاڑیاں وغیرہ وقف کر رکھی ہیں۔

ایڈمنڈز کے گروہ کے ساتھ جنرل نمو، میجر اور مسز اسکاٹ، لفٹننٹ کرنل اور مسز مرفی اور میجر براؤن کے ناجائز تعلقات اس سے پہلے بیان کئے گئے ہیں۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں جب اِن مبصروں نے اپنی سرگرمیاں زیادہ زور و شور سے جاری رکھیں تو کرنل سیلے کو خبر رسانی کے کام کا انچارج بنایا گیا۔ اُس نے بہت سے مقامی مخبروں کی خدمات سے کام لیا۔ جن کے ذریعے اُس نے پاکستان کے طرفدار افراد کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ اِن خدمات کے لئے جی کھول کر روپے تقسیم کئے گئے۔ جو مبصرین شہر کے اندرونی علاقوں میں گئے اور جنھوں نے تاجروں، پھیری والوں، ملاحوں، بیہروں (Waiters)، علی بیگ اور عیسیٰ الپتگین جیسے قزاقی لیڈروں اور پاکستان کے حامی دانشوروں کے ساتھ تعلقات قائم کئے۔ اُن کے نام گنوانا تضیعِ اوقات کے مترادف ہوگا۔

۵۲-۱۹۵۱ء میں سویڈن کے ایک عمر رسیدہ مبصر ــ لفٹننٹ کرنل مالرسس در ڈ کو جلسوں، استقبالوں اور سماجی تقریبوں میں شمولیت کرتے ہوئے دیکھا گیا جن لوگوں کو اُس سے ملنے کا اتفاق ہوا، اُنھوں نے اندازہ لگایا کہ وہ اِس گروہ کے خبر رساں شعبے میں سب سے زیادہ ہوشیار آدمی ہے۔ سلامتی کونسل کی کشمیر پر قرارداد جو خصوصاً ہند فوج کے نکالے جانے اور فوری طور پر رائے عامہ حاصل کرنے کے لیئے اقوام متحدہ کے ناظم رائے شماری کو مقرر کیئے جانے سے متعلق تھی، کے حق میں ایجی ٹیشن اور دوسری سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لیئے آسٹریلیا کا کرنل میکڈانلڈ کچھ لوگوں کو وعظ خوانی کرتے ہوئے پایا گیا۔ امریکی سیاح مس اے، ایل، سٹالنسبری شہر میں مبصرین کی راہنمائی کرتی ہوئی اور اُنھیں اُن لوگوں سے ملاتی ہوئی پائی گئی جن کے ساتھ اُسکے تعلقات تھے۔ مس ایڈنا بیلی فرنٹیین بھی اُن کے ساتھ اکثر ملتے ہوئے اور اُسی نوعیت کا کام کرتے ہوئے دیکھی گئی۔ ۵۳-۱۹۵۲ء میں خبر رسانی کا سارا کام کینیڈا کے لفٹننٹ کرنل آبوریہ کی ہدایات کے تحت ہوتا رہا۔ اگرچہ اقوام متحدہ کے مبصرین کے گروہ کو کشمیر میں غیر ملکی فوجی خبر رسانوں کا ایسا گروہ سمجھا جا سکتا ہے جن کا خصوصی تعلق فوجی اور جنگی (خاص کر کشمیر میں ہند فوج کے متعلق) اطلاع کے ساتھ ہے، پھر بھی اُنھوں نے سول اور سیاسی خبر رسانی کا کافی کام کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک مبصر اور امریکہ کی پیادہ فوج کے میجر سرجنٹ جان، ای، ڈین کو راجہ باغ سلک فیکٹری کے مزدوروں کے ساتھ ملتے ہوئے دیکھا گیا۔ وہ اُنھیں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیئے اقوام متحدہ سے توقعات وابستہ کرنے کی نصیحت کر رہا تھا اُس نے مزدوروں کو بتایا کہ شیخ عبداللہ نے ہندوستان سے علیحدگی کا جو نعرہ دیا ہے وہ "اُن کی اقتصادی ترقی کا ضامن ہوگا" اُس نے اُنھیں یہ بھی مشورہ دیا کہ "اُنھیں آزاد رائے شماری کی مہم جاری کرنی چاہیئے"۔ اور اگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلے

تو "اُنھیں براہِ راست خود مختاری کا نعرہ بلند کرنا چاہیئے"۔ اُس نے کہا "کشمیر کے خود مختار رہنے کی صورت میں وہ (اقوام متحدہ اور امریکہ) اُنھیں (کشمیریوں کو) فوجی اور مالی دونوں طرح کی امداد دیں گے تاکہ اُن کی اقتصادی حالت سُدھر سکے"۔ اِن نصیحتوں کے آخر میں ڈیبن نے اِس بات پر زور دیا کہ اُنھیں شیخ عبداللہ کے بلند کیئے ہوئے دو نعروں یعنی "آزاد رائے شماری یا خود مختاری" پر ڈٹے رہنا چاہیئے۔

ریاست کے اندرونی معاملات میں فوجی مبصروں کی اِس کثیر تعداد نے جو براہ راست مداخلت کی اور اقوام متحدہ یا امریکہ کی خارجی پالیسی کے مطابق کشمیر کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کے لیئے اُنھوں نے جس نوعیت کے اثرات استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، ہم اُن کی مثالیں دے چکے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ اُنھوں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ کس حد تک براہِ راست تعلقات قائم رکھے۔ لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ اُنھوں نے قزاق لیڈروں، ایڈمنڈز کے حلقے، غیر ملکی سیاحوں اور اخبار نویسوں، پاکستان کے طرفدار اشخاص اور رخصت پر کشمیر آئے ہوئے سفارتی اراکین کے ذریعہ سابقہ وزیر اعظم کے ساتھ قریبی تعلق رکھا۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو وزارت کی تبدیلی کے بعد اُن کی جو سرگرمیاں اور کام دیکھنے میں آئے اُنھیں ہندوستانی اخبارات نے مکمل طور پر بیان کیا ہے اور اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ اُنھوں نے پچھلے اگست میں کھُلے بندوں مداخلت کی ہے۔

ماہرینِ سفارت

کشمیر میں اندرونی صورت حالات کی رفتار کے سلسلہ میں غیر ملکی ماہرینِ سفارت جو اثرات بروئے کار لائے اور شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کے نصب العین اور اُصولوں سے منہ موڑ کر "خود مختار" کشمیر کے لیئے جو رویّہ اور پالیسی اختیار کی،

اُن کے متعلق لکھنا قدرے مشکل ہے۔ سفارتی اراکین کا یہ فرض منصبی اور کام ہوتا ہے کہ جن ممالک میں وہ مامور کیے جاتے ہیں، اُنھیں وہ اپنے ممالک کی حکمت عملی کا ہمنوا بنائیں۔ یہ بھی سُنا گیا ہے کہ متعلقہ ممالک میں سماجی، سیاسی اور فوجی حالات کی تشخیص کے لیے کسی قدر اطلاعات کی بہم رسانی کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جو اکثر سفارتی مشن موجود ہیں، اُن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو عموماً اپنے حقیقی فرائض ہی تک محدود رکھیں۔

گزشتہ چھ سال کے دوران میں بہت سارے ملکوں کے سفارتی رُکن کچھ تو سیر و سیاحت کے لیے اور کچھ کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے یہاں آئے۔ کیونکہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کے ایجنڈا پر ایک بہت اہم بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ اِن سفارتی اراکین کے ساتھ غیر ملکی نامہ نگار اور کبھی کبھی اخبارات کے وفد بھی کشمیر آتے رہے۔ یہاں اُنھیں لُطف اُٹھانے اور آزادی کے ساتھ حالات کا بذاتِ خود جائزہ لینے کے لیے سہولتیں دی گئیں۔ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ متذکرہ بالا غیر ملکی ایجنٹ اُن سب سے ملے اور اُنھیں یہاں کے حالات کی بگڑی ہوئی تصویر دکھائی۔ وہ قدرتی طور پر ایسے لوگوں کے بیانات سے متاثر ہوتے رہے ہیں، جو ظاہرا طور پر مذہبی، تعلیمی، اور انسانیت دوست کام کرنے والے "غیر جانبدار اور منصفانہ" غیر ملکی لوگ ہیں۔

شیخ عبداللہ نے بھی اُن کے ساتھ دوستی گانٹھی۔ ۱۹۵۳ء کے شروع تک اُس نے کُھلے بندوں نہ تو "خود مختار" کشمیر کی حمایت کی اور نہ ریاست کی ہندوستان کے ساتھ دوستی کی مذمت کی۔ اُس نے یہ شکایت کی کہ غیر ملکی لوگ کشمیر کے مسئلہ کو تنگ نظری سے دیکھ کر اسے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک جھگڑا بتلاتے ہیں، اِس لیے اُس نے مختلف لائن اختیار کی۔ وہ اکثر پوچھتا

کشمیر کے لوگ اِس تصویر میں کہاں آتے ہیں ؟ وہ کہا کرتا ـــــ اگر انھیں اپنے حال پر چھوڑا جائے، تو وہ اپنے ملک کی ترقی کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں ـــــ اس لائن سے باہر سے آنے والے لوگ کافی متاثر ہوئے۔ اور مفاد پرست طاقتوں کو اشارہ مل گیا۔ کیا "خود مختار" کشمیر کا حل ہندوستان اور پاکستان دونوں کی لاج نہیں رکھتا ؟ اور کیا ساتھ ہی اُن کی سنٹرل ایشیا میں فوجی اور سفارتی پالیسیوں کے موافق نہیں ؟ ایسے بھی لوگ تھے جو کمیونسٹوں کی دُنیا کے خلاف مراکو سے ہند چینی تک جنگی اڈے تعمیر کرنے کے سلسلہ میں عالمگیر جنگی خیالات رکھتے ہیں۔ کشمیر مشرقِ وسطیٰ، سنٹرل ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں اُن کے دفاعی منصوبوں کے لئے بالکل موافق تھا۔

شیخ ذاتی بات چیت کے دوران میں اکثر اقتدار کوشی کی سیاست کا ذکر کرتا تھا، اور اس نظریہ کا اظہار کرتا تھا کہ کشمیر نہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں توازن قائم رکھ سکتا ہے بلکہ بڑی طاقتوں کے درمیان بھی۔ اور یہاں تک کہ "خود مختار" کشمیر مغربی دھڑے کے اندر مشرقِ وسطیٰ اور وسطِ ایشیا کی طرف انگریزوں اور امریکیوں کی پالیسی کے لئے پاسنگ کے طور پر کام کر سکتا ہے۔

امریکہ کے سفارتی اراکین نے خاص طور پر شیخ عبداللہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے مسٹر اور مسز لائے ہینڈرسن کے ذریعے شیخ عبداللہ کو پھانسنے کے عمل کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن کے تعلقات، طور طریقوں اور پرائیویٹ بات چیت نے لوگوں کے دلوں میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رکھی کہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ "خود مختار" کشمیر کے منصوبے میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ کشمیر میں نیشنل کانفرنس لیڈرشپ کی بھاری اکثریت نے یا ہندوستان کے سرکاری حلقوں نے اِس خیال کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

ایسے حل سے پاکستان کی خواہشات بھی پوری نہیں ہوتی تھیں۔ یہ بات سلامتی کونسل کی قرارداد اور اقوامِ متحدہ کے نمائندوں کے ساتھ پرائیویٹ بحث و مباحثوں سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ بہر حال لائے ہینڈرسن نے شیخ عبداللہ کو امریکی جال میں پھانس لیا تھا۔

مسٹر چیسٹر باؤلز نے ہینڈرسن کی جانی پہچانی تدابیر کو اختیار کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ وہ کئی بار کشمیر آیا۔ اور شیخ عبداللہ سے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۲ء میں اُس نے یہاں اپنے قیام کے دوران میں شیخ عبداللہ کو بہت ہی اچھا ذاتی خط لکھا۔ جس میں اُس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب وہ آخر کار ایک دوسرے سے جُدا ہوئے تو ایک قسم کی گھریلو مجلس منعقد کی گئی جہاں پر تحفے تحائف ایک دوسرے کو دیئے گئے۔ غالباً ہندوستان کا کوئی بھی ایسا ریاستی وزیر اعظم نہیں، جس کی طرف نئی دہلی میں اس قدر عزت رکھنے والے کسی امریکی سفیر نے نظرِ التفات سے دیکھا ہو۔ شیخ عبداللہ کی طرف واضح اشارہ تھا کہ اُسے اپنے منصوبوں میں امریکہ کی امداد حاصل ہے۔ ایسی باتوں پر بحث اور ان کے فیصلے غیر رسمی طور پر ہوا کرتے تھے۔ انھیں دستاویزی شہادت کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کشمیر میں "خود مختار" کشمیر کے خیال کے مخالف اور حامی حلقوں کے دماغ پر جو عام اثر تھا وہ یہی تھا کہ شیخ عبداللہ نے اپنے منصوبے امریکیوں کو بیچے ہیں۔

یہ دوستانہ معاہدہ اُن وظائف اور فیلوشپز (Fellowships) سے ظاہر تھا جو حکومتِ امریکہ اور دوسرے اداروں نے کشمیری افسروں اور طلبار کو عطا کیے۔ شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے کھلے عام یہ شکایت کی کہ اگر حکومتِ ہند مداخلت نہ کرتی تو فورڈ فونڈیشن (Ford Foundation) وغیرہ ایسے

ادارے کشمیر کی ترقی کے لئے بہت کچھ کرتے۔ پانچ سالہ منصوبے اور کمیونٹی پروجیکٹوں کے سلسلہ میں ہندوستان کی مالی امداد کو کبھی بروئے کار نہیں لایا گیا۔ دانشور حلقوں کو یہ سبز باغ دکھا کر جیتنے کی کوشش کی گئی کہ وہ کشمیر میں تمام جنوب مشرقی ایشیا کے لئے ایک بین الاقوامی یونیورسٹی بنائیں گے۔ تعلیمی اور تربیتی سہولتوں کے علاوہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ریاست کو لاکھوں ڈالروں کی مالیتی کتابیں، ادویات اور امدادی ضروریاتِ زندگی بطور تحفت تحائف کے دے دیں گے۔ کچھ افسر جن پر شیخ عبداللہ کو بھروسہ تھا، ڈالروں کی امداد سے کشمیر کی مادی اور کلچرل ترقی کے وسیع امکانات پر کھلے بندوں اظہارِ خیال کیا کرتے تھے۔

سال ۵۳-۱۹۵۲ء میں امریکی نامہ نگار ایک بہت بڑی تعداد میں معاملہ کے منطقی نتائج ڈھونڈھنے کی غرض سے کشمیر آئے۔ انٹرنیشنل نیوز سروس اور بالٹی مور سن کی مس مارگیرٹ ایل، ویل کے دہلی میں امریکی سفارت خانے کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ اُسے فوجی اور جنگی اہمیت کے علاقوں کی تصویریں اتارتے ہوئے دیکھ کر سخت سست کہا گیا۔ اس نے بہت سے لوگوں کے ساتھ "خود مختار" کشمیر کے فوائد پر گفتگو کی۔ امریکہ کے بہت اہم اخبارات مثلاً نیویارک ٹائمز، نیویارک ہیرالڈ ٹریبون، کرسچین سائنس مانیٹر، شکاگو ٹریبون، لائف اینڈ ٹائم وغیرہ کا بھی یہی ردِ عمل تھا جیسا کہ اُن کے خصوصی نامہ نگاروں نے بیان کیا جو کہ اس دوران میں کشمیر آئے۔

ہم نے پہلے ہی بیان کیا ہے کہ امریکی سفارت خانے کے اراکین مثلاً لیچ ایڈمز اور ہیرسے شیخ عبداللہ کے ساتھ براہ راست تعلقات اور ایڈمنڈز گروہ کے ذریعہ کس قدر قریب تھے۔ "خود مختار" کشمیر کے متعلق اختلاف رائے عامہ کے دنوں مئی سے اگست ۱۹۵۲ء تک وہ متعدد بار کشمیر آئے۔ انہوں نے

شیخ عبداللہ کے ساتھ بہت دفعہ پرائیویٹ بات چیت کی۔ ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء کو
یوم شہدا کے جلسے میں مسٹر بیچ شیخ عبداللہ کے ساتھ پلیٹ فارم پر براجمان تھا۔
یہ وہ جلسہ تھا جس میں شیخ عبداللہ نے "خود مختار" کشمیر کے متبادل کو اشارتاً تجویز
کیا تھا۔ امریکی سفارت خانے کے مسٹر اور مسز ایڈمز بھی اپنے بال بچوں سمیت
اس موقعہ پر موجود تھے۔ رچرڈ بیچ نے شیخ عبداللہ کے قریبی متعلقین کے ساتھ
جو پرائیویٹ بات چیت کی۔ اس میں سے اس نے "خود مختار" کشمیر کے
اقتصادی اور مالی نتائج کے متعلق پوچھ گچھ کی۔ اس نے اس بات میں تعجب کا
اظہار کیا کہ انھوں نے اب تک اس حل کے عملی پہلوؤں کا جائزہ نہیں لیا تھا جو
تھوڑے عرصے کے اندر اندر ان کے پیش آیا۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ شیخ عبداللہ اگست ۱۹۵۳ء کے وسط
میں کوئی شگوفہ چھوڑے گا۔ ہند میں امریکی سفیر مسٹر جارج ایلن کے کشمیر آنے کا وقت جولائی
کے آخر یا اگست کے شروع میں مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح سے
اسے یہاں نہ آنے کا برمحل مشورہ دیا گیا۔ جولائی اور اگست کے دوران میں اور
خاص کر اس روز جب کہ شیخ عبداللہ کی گرفتاری عمل میں آئی مسٹر بیچ کی جو
سرگرمیاں رہیں اس سے لوگوں کو زبردست حیرانی ہوئی کہ آیا ایک دوست ملک
کے اندر ایسی کارروائیاں کرنا سفارتی آداب کی جائز حدود سے تجاوز کرنے کے
مترادف تو نہیں۔ ان حالات میں ہم مسٹر ایلن کے اس بیان کی صداقت کے
کیسے قائل ہو سکتے ہیں جس میں اس نے امریکی مداخلت سے انکار کرتے ہوئے
کہا تھا کہ "کشمیر میں امریکہ کی واحد دلچسپی صرف یہ مخلصانہ امید ہے کہ اس کی
حیثیت کا مسئلہ متعلقہ دو ممالک باہمی طور پر متفقہ بنیاد پر حل
کر لیں گے۔"

کشمیر میں "مارل ری آرمینٹ" کی آمد

۵۳-۱۹۵۲ء کے دوران میں شیخ عبداللہ کی حکمت عملیوں پر جو مختلف بیرونی اثرات کارفرما رہے اُن کے مجموعی تاثرات کو مربوط کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم "مارل ری آرمینٹ" ٹولی کی گھناؤنی کارروائیوں کو منظر عام پر لائیں۔ اس ٹولی نے ۱۹۵۳ء کے اپریل اور مئی کے مہینوں میں کشمیر کا دورہ کیا۔ ہمارے ایک ستم ظریف دوست نے اس کی کارروائیوں پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے فرینک بک مین اور اُس کے پیروؤں کی تلقین کے بارہ میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ گویا جانی واکر اور اسکاٹ لینڈ کے دیگر شراب ساز ترکِ مے نوشی کا پرچار کر رہے ہیں"۔ یہاں پر ہمیں اُن کے اخلاقی اصولوں کی صحت اور درستی سے کوئی بحث نہیں۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اُن کی ظاہری ٹیم ٹام سے بہت سے سادہ لوح لوگ دھوکہ کھا گئے۔ مگر ان اخلاقی اصولوں کی آڑ میں خاص سیاسی مقاصد کو آگے بڑھایا جا رہا تھا۔ اپریل ۱۹۵۳ء میں جو ایک سو ساٹھ آدمی کشمیر میں وارد ہو کر مہینہ بھر قیام پذیر رہے ہم اپنے قارئین کے سامنے اُن میں سے چند لوگوں کی زبانی ساری کیفیت بیان کریں گے۔

اِس گروہ میں سیدھے سادے لوگوں کے علاوہ سابق فوجی جنرل اور ایڈمرل، بڑے بڑے سرمایہ دار، سابق کمیونسٹ، امیر اور عیاش سن رسیدہ ناکتخدائیں اور بیرونی طاقتوں کے جاسوسوں کی ایک سرگرم ٹولی بھی شامل تھی۔ ڈاکٹر فرینک بک مین کو یہ "بشارت" ہوئی تھی کہ وہ لوگ ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کے قومی مستقبل کا تصور بدل دینے کے لئے اِن ممالک میں جائیں۔ اِن ایشیائی پس ماندہ ممالک کے کروڑوں بھوکوں ننگوں کو ایک ایسا نظریہ بخشنے کی ضرورت تھی جس میں

نہ صرف سماجی اور اقتصادی مسائل کا حل مضمر ہو بلکہ جو انسانی روح کے لئے بھی باعث اطمینان ثابت ہو۔ مُک ہین مسلسل اپنے پیروؤں کی توجہ ۱۹۵۲ء کے آخیر میں نیویارک ٹائمز میں سلز برگر کے لکھے ہوئے ایک مضمون کی طرف دلاتا رہا۔ اس مضمون میں مُصنف نے "روس کی جنوبی سرحدوں پر نظریاتی اور سیاسی صورتِ حال" کا خاکہ پیش کیا تھا۔ ٹرکی سے لے کر سائیگان تک کے سارے علاقہ کے دفاع کا کوئی انتظام نہ تھا کیونکہ ایک تو کشمیر کے سوال پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جھگڑا تھا اور دوسرے مصر، ایران، افغانستان اور مشرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک بھی مختلف قسم کی افراتفری اور کشمکش کے شکار تھے۔ ان حالات میں برصغیر ہند کے لئے دفاعی انتظامات کی ضرورت تھی۔ مُک ہین کے کہنے کے مطابق پاکستان کے محکمہ دفاع کے سکریٹری کرنل مرزا نے اُس سے کہا تھا کہ "مجھے تنازعہ کشمیر کا کوئی حل دیجئے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کے لئے دونوں ممالک کے فوجی سٹاف کے مابین بات چیت کی تجویز پیش کروں گا۔"

پیٹر ہاورڈ اس گروہ کا نظریاتی رہنما تھا۔ اُس کے خیال میں نظریاتی لحاظ سے کشمیر، برصغیر ہند کی پیشانی پر ایک ناسور تھا جسے "مارل ری آرمیمنٹ" (تعمیر اخلاق نو) کے نشتر سے چیرنا لازمی تھا۔ حقیقت میں "مارل ری آرمیمنٹ" کے ان مجاہدوں کا واضح مقصد یہ تھا کہ مشرقِ وسطیٰ اور ایشیا میں اینگلو امریکی بلاک کی حکمت عملی کے لئے ہندوستان اور پاکستان کی حمایت حاصل کر لی جائے۔

اُنھوں نے دیکھا کہ ہندوستان اور پاکستان میں بہت سے عناصر ان کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ کشمیر میں اُنھوں نے شیخ عبداللہ کو اپنا حامی بنانے کے لئے ان تھک کوششیں کیں۔ گو شیخ عبداللہ مذہبی اور نظریاتی معاملات میں اس

گروہ سے کہیں زیادہ زمانہ ساز تھا۔ مگر اُس نے اس موقعہ پر اس کی کارروائیوں کو سراہا کیونکہ اِس طرح اُس کے مقصد کو تقویت پہنچتی تھی۔

ڈاکٹر بُک مین امریکہ اور پاکستان سے شیخ عبداللہ کے لئے خیر سگالی کے کئی پیغامات ساتھ لے آیا۔ پاکستان کے گورنر جنرل، پرائم منسٹر، بڑے بڑے سول اور فوجی حکام اور ممتاز سیاستدانوں نے کشمیر میں بُک مین کے مشن کی کامیابی کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ بُک مین نے یہ بات شیخ عبداللہ تک پہنچائی کہ پاکستان میں وزارت کی تبدیلی کے بعد اُس کی ذات کے خلاف عناد کا کوئی جذبہ موجود نہیں اور یہ کہ پاکستان ایک "خود مختار" کشمیر کے قیام کو اس مسئلہ کا حل تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ بُک مین کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ پاکستان کے نئے رہنما اور شیخ عبداللہ دونوں مشرقِ وسطیٰ اور وسط ایشیا میں امریکی حکمتِ عملی کے حق میں تھے۔ اُسے امید تھی کہ ایک "خود مختار" کشمیر کے قیام کی بنا، پر سارے ایشیا میں (مع ہندوستان کے) رائے عامہ کا توازن بدل کر امریکی حکمت عملی کے حق میں قائم ہوگا۔

ڈِک ہیڈن اور پیٹر ہوپ کرافٹ کے بیان کے مطابق بُک مین نے اپنے دوستوں پر یہ ظاہر کیا تھا کہ سیر و سیاحت کے علاوہ مجھے "کچھ اور کام" بھی انجام دینے ہیں۔ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے ہوپ کرافٹ نے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ میں اُس کا مطلب سمجھتا ہوں"۔ بُک مین نے شیخ عبداللہ کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں اور اُس کے ساتھ پوشیدہ طور پر "خود مختار" کشمیر کی سکیم پر بات چیت کی۔ شیخ عبداللہ اور اُس کے کُنبے کے تمام افراد نے "مارل ری آرمیمنٹ" والوں کے ڈرامے دیکھے۔ شیخ عبداللہ کے بیٹے فاروق عبداللہ کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ بُک مین فاروق کو سوئٹزرلینڈ میں

"مارل ری آرمیمنٹ" کے ہیڈ کوارٹر کاکس سر مانٹرو میں تربیت دینے کا خواہش مند تھا۔ مریم ینگ اور روتھ میری ینگ کشمیر میں ایم۔آر۔اے (مارل ری آرمیمنٹ) کے مستقل نمائندوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ دونوں خواتین اپنے ہیڈ کوارٹر کو برابر کشمیر کی صورتِ حالات کے بارہ میں اطلاعات بہم پہنچاتی تھیں۔ فاروق کو ایم۔آر۔اے کے جولائی/اگست ۱۹۵۳ء میں منعقد ہونے والے جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ غرض یہ تھی کہ وہاں پر اُسے پاکستانی نمایندوں کے ساتھ ملا کر بات چیت کا بندوبست کیا جائے۔ اس کے پہلے ایم۔آر۔اے والوں نے شیخ عبداللہ کے داماد مسٹر غلام محمد شاہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا تھا۔ اُسے اپنا ہم خیال بنانے کے لئے کاکس لے جایا گیا اور کشمیر میں اپنی واپسی پر وہ اُن کا سرگرم پرچارک بن گیا تھا۔

شیخ عبداللہ سے ملاقات کرنے کے بعد پیٹر ہاورڈ نے بتایا کہ "شیخ عبداللہ بیک وقت کئی کشتیوں پر سوار رہے مگر ہم اُسے اس مشکل سے بچا سکتے ہیں۔ وہ ہمارے مشن میں یقیناً دلچسپی رکھتا ہے۔" مگر یہ سہرا فرینک بک مین کے سر ہی رہا کہ اُس نے آخر ایک "موثر اور بے تکلف" ملاقات میں شیخ عبداللہ کے شکوک دور کئے اور اُسے اس بات کا یقین دلایا کہ واشنگٹن اور کراچی "خودمختار" کشمیر کے قیام کے ساتھ اتفاق کریں گے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے کہ واشنگٹن کے ساتھ ایم۔آر۔اے گروپ کا بہت ہی قریبی تعلق رہا۔ اور اس کی کارروائیوں کی روئداد باقاعدگی کے ساتھ وہاں بھیجی جاتی رہی۔ ریر ایڈمرل رچرڈ ای۔ بایرڈ نے پیٹر ہاورڈ، ڈاکٹر پال کیمپ بیل اور ڈنکن کورکان کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ قائم رکھا تھا۔ ایڈمرل بایرڈ نے انھیں اطلاع دی کہ اُس نے امریکی

سینیٹ کی خارجی معاملات کی کمیٹی کے چیئرمین سینیٹر وائلی، لیبر اور ویلفیر کمیٹی کے چیئرمین سینیٹیر الگزینڈر سمتھ، سابقہ سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر کارڈل ہل، ایوان نمایندگان کے سپیکر مسٹر جوزف مارٹن اور وائس پریزیڈنٹ نکسن کو ایم آر اے اور خاص کر ڈاکٹر ٹبک مین کے اس فریضہ سے آگاہ رکھا تھا جو وہ کمیونزم کے خلاف امریکہ کی "نظریاتی حکمت عملی" کی کمی کو پورا کرنے کے لئے، انجام دے رہے تھے۔

امریکی گروپ میں مسٹر جیک رولٹس سیاسی لحاظ سے سب سے زیادہ سرگرم کارکن تھا۔ اُس نے پرائیویٹ گفتگو کے دوران میں ظاہر کیا کہ سینیٹیر وائیلی اور سینیٹیر الگزنڈر سمتھ کو اُن کی ہی استدعا پر ایم۔ آر۔ اے کے دوروں کی مکمل رپورٹیں باقاعدگی کے ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔ اُس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان دونوں سیاستدانوں نے یہ محسوس کیا کہ غیر ممالک میں امریکی حکمت عملی میں جو کمی دکھائی دیتی تھی شاید اُسے ایم۔ آر۔ اے کی کارروائیاں پورا کر سکیں۔

اِس کے بعد ایم۔ آر۔ اے والے کراچی چلے گئے۔ انھوں نے وہاں پر پنڈت نہرو کے ساتھ بھی یہی کھیل کھیلنے کی جسارت کی۔ پنڈت نہرو ان دنوں پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی کے ساتھ بات چیت کے لئے، کراچی آیا ہوا تھا۔ مگر پنڈت نہرو نے مسئلہ کشمیر اور خارجی پالیسی کی نسبت اپنے رویہ کو نہ بدلا اور اس سے انھیں بڑی مایوسی ہوئی۔ ایم۔ آر۔ اے کے شاطروں کی سب دانائی دھری کی دھری رہ گئی۔ کراچی میں دو وزرائے اعظم کی کانفرنس کی کامیابی کے لئے، کاکس میں دعائیں مانگی گئیں اور بڑے اہتمام سے اس کی اطلاع تاروں کے ذریعہ دی گئی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اُنھوں

نے پاکستان میں بری، ہوائی اور سمندری فوج حکومت، بیوپاریوں، پریس، مزدور تنظیموں اور طالب علموں میں بہت سے لوگوں کو کافی حد تک متاثر کیا۔

ہندوستان میں بھی انھوں نے فوج اور ملکی نظم و نسق کے بڑے بڑے افسروں کے ذہنوں کو آلودہ کرنے کی کوشش کی۔ کشمیر میں انھوں نے جس طریقہ پر ہندوستانی فوج کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنے کی سعی کی اس سے محتاط اور دوراندیش سیاسی حلقوں میں زبردست تشویش پیدا ہوئی۔ انھوں نے کشمیر میں مقیم ہندوستانی افواج کے خلاف پروپیگنڈا کی غرض سے غیر ممالک میں اپنے دوستوں کو رپورٹیں بھیجیں۔ اُن کے ساتھ گفتگو کے دوران میں یہ اہم انکشاف ہوا کہ امریکہ میں پاکستان کی بری، فضائی اور سمندری افواج کا کافی عملہ زیرِ تربیت ہے۔

نظریاتی نقطۂ نظر سے انھیں اس قدر کامیابی ضرور ہوئی کہ شیخ عبداللہ امریکہ کی دولت، فوجی طاقت اور پاکستان میں اُس کے سیاسی اثر و رسوخ اور وسط ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں اُس کے منصوبوں سے مرعوب ہوا "خود مختار کشمیر" کی صورت میں اپنے بقاء کی مصلحت کے علاوہ کئی دیگر قوی اثرات بھی اُس کے فیصلوں کے پیچھے کارفرما تھے اس طرح شیخ عبداللہ شعوری طور پر ایشیا میں امریکی حکمتِ عملی کا آلۂ کار بن گیا۔

"خود مختار کشمیر" کے حق میں دوسرے اثرات

شہزادہ محمد اکرم | ستمبر ۱۹۵۱ء میں کئی غیر ملکی حلقوں نے جینوا (سوئٹزرلینڈ) کے شہزادہ محمد اکرم کے ذریعہ شیخ عبداللہ کو یہ کہلوایا کہ کشمیر کے تنازعہ کا پُرامن حل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اگر وہ "یہ اعلان کرے کہ کشمیر تقسیم سے

پیشتر۔کے حدودِ اربعہ کے ساتھ) ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔ اس کی یہ حیثیت ہندوستان پاکستان اور اقوام متحدہ تسلیم کریں اور ساتھ ہی اسے ان تینوں طاقتوں کی ضمانت بھی حاصل ہو۔" اکرم نے یہ مشورہ دیا کہ کشمیر کو ایک غیر جانبدارانہ فاصل ریاست (بفر سٹیٹ) کے طور پر "ایشیائی سوئٹزرلینڈ" کی حیثیت سے رہنا چاہیئے۔ اکرم نے شیخ عبداللہ کو یہ بھی بتایا کہ اُس نے کراچی میں "آزاد کشمیر" کے چودھری غلام عباس کے ساتھ اس منصوبہ کے متعلق بات چیت کی ہے اگرچہ چودھری صاحب کو یہ شک ضرور تھا کہ شاید پاکستان اور ہندوستان اس تجویز کو قبول نہ کریں مگر اُس نے "اس خیال کا بڑا خیر مقدم" کیا۔ اکرم نے مزید یہ بھی کہا کہ "میرے خیال کے مطابق پاکستان اس تجویز کو تسلیم کرنے پر رضامند ہو گا بشرطیکہ ہندوستان بھی اسے قبول کرے۔"

شہزادہ اکرم نے ایک حقیقت پسند کی طرح یہ عملی سوال کیا کہ آخر "اس بارہ میں پہل کون کرے گا۔" یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ اسلامی ممالک میں بہت لوگ اس خیال کے ہم نوا ہیں اُس نے مشورہ دیا "کہ اغلباً مصر جو ایک غیر جانبدار ملک ہے سب سے پہلے یہ آواز بلند کرے گا۔" آخر میں شہزادہ اکرم کی رائے یہ تھی کہ عبوری دور کے لئے جو لگ بھگ پانچ سال ہو چودھری غلام عباس کے ساتھ ایک ملی جلی حکومت قائم کی جائے اور اس مدّت کے لئے "کوئی غیر ملکی، ریاست کا سردار اعلیٰ" مقرر ہو۔"

شیخ عبداللہ نے اپنے جواب میں اس قسم کے حل کو سراہا مگر ساتھ ہی اُن مشکلات کی طرف بھی اشارہ کیا جو اس کو عملی شکل دینے میں پیش آنے والی تھیں۔ اُس نے اپنے جواب میں لکھا کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ بظاہر اس قسم کا حل اُس موجودہ غیر یقینی صورتِ حال کا خاتمہ کر سکے گا جسے

سیکورٹی کونسل کے انوکھے طرزِ عمل نے بد سے بدتر بنا دیا ہے"۔ اکرم کی اس پہلی کوشش کا جواب شیخ عبداللہ نے مبہم اور مجموعی طور پر منفی طریقہ میں دیا۔ اُس کی نظر میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ آیا ہندوستان، پاکستان اور اقوام متحدہ ریاستِ جموں و کشمیر کی "خود مختارانہ حیثیت" کی ضمانت دینے پر تیار ہوں گے کہ نہیں۔ شیخ عبداللہ نے اِس بارہ میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ "چونکہ یہ مسئلہ بہت ہی اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے اِس لئے مختلف تجاویز میں صرف نظریاتی دلچسپی لینا کافی نہیں ہوگا"۔

فروری ۱۹۵۲ء میں شہزادہ محمد اکرم نے اپنی دوسری چٹھی میں "خود مختار کشمیر" کے فوائد اور اُس کی ضرورت پر مزید روشنی ڈالی۔ اُس نے ایک مختصر سے اشارہ میں کہا کہ چونکہ پاکستان کا پرایم منسٹر خواجہ ناظم الدین اور وزیر امور خارجہ سر محمد ظفر اللہ خاں دونوں ہی امن پسند اور صلح جو قسم کے آدمی ہیں اِس لئے اِن تجاویز کی نسبت اُن کا ردِ عمل بھی ناموافق نہیں ہوگا"۔ "میرا خیال ہے کہ اصل میں آپ کی شخصیت ہی کو اس وقت مرکزی حیثیت حاصل ہے"۔ مگر شیخ عبداللہ اس بات پر مصر رہا کہ کشمیر کی "خود مختارانہ" حیثیت کا سوال اُس وقت تک صرف فرضی نوعیت کا رہے گا جب تک کہ اِس تنازعہ سے تعلق رکھنے والے سب ہی فریق اِسے ایک متبادل حل کی حیثیت میں نہ آزمائیں"۔ چونکہ کسی بھی فریق کی طرف سے کوئی پہل نہیں کی گئی۔ شیخ عبداللہ نے اس تجویز کے حسن و قبح پر رائے زنی کرنے سے انکار کیا۔ اُس نے صرف کنایتہً یہ ظاہر کیا کہ ہندوستان اور پاکستان کو نہ صرف ایک دوسرے کے لئے خیر سگالی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے بلکہ ریاست کے لئے بھی۔

ستمبر ۱۹۵۲ء میں شہزادہ محمد اکرم نے شیخ عبداللہ کو ایک اور چٹھی میں

یہ اطلاع دی کہ اُس نے اِس مسئلہ کے بارہ میں خواجہ ناظم الدین کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے علاوہ سر محمد ظفر اللہ کے ساتھ بھی بات چیت کی۔ سر محمد ظفر اللہ ان دنوں ڈاکٹر گراہم کی کشمیر کانفرنس میں شمولیت کرنے کی غرض سے جینوا میں مقیم تھا۔ شہزادہ محمد اکرم کو اس بات کا مکمل یقین تھا کہ اگر اس مسئلہ کو کوئی غیر جانبدار ملک "مناسب طور پر" چھیڑے تو "پاکستان ایک "خود مختار" کشمیر کے قیام پر جس کی سرحدیں وہی ہوں جو ہندوستان کی تقسیم سے پہلے تھیں؛ رضا مند ہوگا اور اس کی آزادی اور علاقائی سالمیت کی ضمانت دینے پر تیار ہوگا بشرطیکہ ہندوستان اور کشمیر کے دیگر بڑے بڑے ہمسایہ ممالک سے بھی اسی قسم کی ضمانت حاصل ہو۔" اُس نے مزید یہ بھی ظاہر کیا کہ اگر صدارتی انتخاب میں آیزن ہاور کو کامیابی حاصل ہوئی تو اِس بارہ میں شاید مسٹر جان فاسٹر ڈلس "ایک ایماندار دوست" کی حیثیت سے پہل کرے۔ اُس کی تحریر سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اُس نے اِس موضوع پر ڈلس سے مشورہ کیا تھا مگر اُس نے اس تجویز کے حق میں پنڈت نہرو کی حمایت حاصل کرنے کی ذمہ داری شیخ عبداللہ پر ڈال دی۔

شیخ عبداللہ اِس مرحلہ پر پنڈت جی سے براہ راست اِس معاملہ کی نسبت بات چیت کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اُس نے اکرم کو کہا کہ مصالحت خان عبدالغفار خاں کے ذریعہ کرائی جا سکتی ہے اور اُسے چاہیئے کہ وہ کراچی میں اپنے دوستوں کے اثر و رسوخ سے اُس کو رہا کرائے۔ اکرم نے خان عبدالغفار خاں کی نسبت ایک بہت ہی جذباتی چٹھی لکھی اور وعدہ کیا کہ وہ "خود مختار" کشمیر کے نازک معاملہ کو حل کرنے کے لئے تگ و دو کرے گا اور ہندوستان اور پاکستان کے مابین مسئلۂ کشمیر کے بارہ میں مصالحت کرنے

کے لئے خان صاحب کی رہائی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۵۲ء کو ایک اور چیٹھی میں اکرم صاحب نے شیخ عبداللہ کو یہ اطلاع دی کہ اُس نے خواجہ ناظم الدین کو اُس کے بیٹے کے ذریعہ ایک پیغام بھیجا ہے۔ پاکستان کے وزیراعظم نے لندن میں پاکستانی ہائی کمشنر مسٹر اصفہانی کو فوری طور پر شہزادہ محمد اکرم سے ملنے کے لئے جینوا بھیج دیا۔ شیخ عبداللہ کی تجاویز اُسی کے ذریعہ پاکستان کے وزیر اعظم کو بھیج دی گئیں۔

اس کے بعد بات چیت کا سلسلہ سفارتی سطح پر جاری رکھا گیا۔ اِس اثنار میں آیزن ہاور کو امریکہ کا صدر چُنا گیا اور جان فاسٹر ڈلس نے سکریٹری آف اسٹیٹ کا عہدہ سنبھالا۔ شہزادہ اکرم اور اس کے دوستوں نے اِس موضوع پر ڈلس کے ساتھ مزید مشورہ کیا ہوگا اور جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے نیویارک ٹائمز کے مطابق ڈلس نے دہلی اور کراچی کے سامنے "خود مختار" کشمیر کی تجویز کچھ ردو بدل کے ساتھ رکھی۔ اپریل ۱۹۵۳ء میں کراچی میں پرائم منسٹر محمد علی کی قیادت میں خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے بعد ایک امریکہ نواز حکومت قائم ہوئی تھی اور اس معاملہ میں پہل کرنے کے لئے راستہ ہموار کیا گیا تھا۔

سر مرزا اسمٰعیل جنوری ۱۹۵۳ء میں جب شیخ عبداللہ انڈین نیشنل کانفرنس کے حیدر آباد والے اجلاس میں شمولیت کے لئے گیا تو سر مرزا اسمٰعیل نے (جو میسور حیدر آباد اور جے پور کی ریاستوں میں بحیثیت وزیر اعظم رہ چکا ہے) بنگلور میں اُسے ایک پرائیویٹ بات چیت کے لئے دعوت دی۔ سر مرزا اسمٰعیل اس سے پہلے پاکستان سے ہو آیا تھا اور وہ کئی وجوہ کی بنار پر اس بارہ میں خواجہ ناظم الدین اور سر محمد ظفر اللہ خاں کی آرار سے واقف تھا۔ اُس کے کئی قریبی رشتہ دار پاکستان میں نہ صرف خود بڑے عہدوں پر مامور تھے بلکہ اُن کو

وہاں کے دیگر بڑے بڑے سول اور فوجی حکام کے ساتھ کافی اثر و رسوخ بھی حاصل تھا۔ انھیں پاکستان کے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد کے ساتھ بھی کافی وابستگی تھی۔ اس سے پہلے سر مرزا اسمٰعیل نے اپنے لندن اور واشنگٹن کی سیاحت کے دوران میں وہاں کے سرکردہ سیاسی حلقوں کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی تھی۔ شیخ عبداللہ کے ساتھ اُس کی بات چیت کا خلاصہ یہی تھا کہ تنازعہ کشمیر کا واحد حل یہ ہے کہ ریاست کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔ اور جموں اور لداخ براہ راست ہندوستان میں اور پونچھ اور دیگر پاکستانی مقبوضہ علاقے پاکستان میں شامل کئے جائیں اور وادیٔ کشمیر ایک خود مختار ریاست قرار دی جائے جس کو ہندوستان، پاکستان اور اقوام متحدہ کی ضمانت حاصل ہو۔ اُس نے شیخ عبداللہ کو بتایا کہ پاکستان کے بارسوخ حلقوں خاص کر وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو اس تجویز سے اتفاق ہے اور برطانیہ اور امریکہ کی وساطت سے اقوام متحدہ بھی اسے قبول کرے گا۔

"خود مختار" کشمیر کے بارہ میں سر مرزا اسمٰعیل کی رائے کا اب اعلانیہ طور پر اظہار ہو چکا ہے۔ اُس کی خود نوشت سوانح عمری کا کچھ حصہ ٹائمز آف انڈیا میں قسط وار شائع ہوا ہے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کی قسط میں سر مرزا اسمٰعیل لکھتا ہے :-

"تنازعہ کشمیر ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان امن و مفاہمت کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس قسم کے تنازعہ کا بہترین حل وہی ہے جو فریقین میں سے کسی کو نہ تو پورے طور پر مطمئن کرے اور نہ کسی کو بالکل غیر مطمئن رکھے۔ اگر تصفیہ کی پائداری کے علاوہ یہ مطلوب ہو کہ اس سے ظلم کا احساس باقی نہ رہے تو فریقین میں سے

کسی کو بھی یہ احساس باقی نہ رہنا چاہیے کہ وہ سراسر نقصان میں رہا۔ رائے عامہ کے ذریعہ کیا گیا فیصلہ اسی مہلک نتیجہ کا حامل ہوگا۔ یہ طریقہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے اسے اور زیادہ پیچیدہ بنا دے گا۔

"اب اس حقیقت کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ تقسیم لابدی اور ناگزیر ہے۔ حقیقت میں تقسیم عمل میں آ ہی چکی ہے۔ اس لیے پاکستان کو پونچھ سمیت جو کہ غالب مسلم اکثریت کا علاقہ ہونے کے ساتھ ساتھ جغرافیائی حیثیت سے پاکستان کا حصہ ہے کشمیر کا وہ علاقہ دینا چاہیے جو پہلے ہی اس کے قبضہ میں ہے اسی طرح لداخ اور جموں ہندوستان میں شامل رہیں۔

"وادیٔ کشمیر جو اس جھگڑے کی جڑ ہے دو میں سے کسی ملک میں شامل نہ کی جائے۔ سرحد کے معمولی ردّ و بدل کے بعد اسے اندرونی طور پر ایک "خود مختار" ریاست قرار دیا جائے جسے خارجی پالیسی یا دفاع کی کوئی ذمہ داری نہ ہو کیونکہ اسے برصغیر ہند سے باہر کسی بیرونی ملک کے ساتھ براہ راست تعلقات قائم نہیں کرنے ہوں گے۔

"اس قسم کا حل ہندوستان، پاکستان اور کشمیر سب ہی فریقوں کے لئے منصفانہ ہوگا اور اس سے کسی قسم کی تلخی باقی نہیں رہے گی۔ وادیٔ کشمیر کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ اگر ہندوستان یا پاکستان کی جانب سے کوئی گڑبڑ پیدا کی جائے تو یہ اقوام متحدہ میں اپیل کر سکے۔ اس حل کی خاطر ہر ایک فریق کو کسی حد تک قربانی دینی ہوگی مگر قربانی کے لیے اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا ہے۔ چند ہی مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کا حل سرعت اور جوانمردی سے کیا جا سکتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اُن مسائل میں سے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔"

قیامِ پیرس

شیخ عبداللہ ۵۲-۱۹۵۱ء کی سردیوں میں سیکورٹی کونسل کے ساتھ گفت و شنید کرنے کے لئے، پیرس چلا گیا۔ پیرس اور یوروپ کی دوسری راجدھانیوں میں اُس نے مغربی طاقتوں کے بڑے بڑے سیاستدانوں سے تعلقات پیدا کیے، اور اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اقوام متحدہ اور خاص کر امریکہ کی نسبت اُس کا جو رویہ تھا وہ بالکل ہی بدل گیا۔ واپسی پر اُس نے بمبئی میں پریس کو بیان دیتے ہوئے، کہا کہ "مسئلہ کشمیر کی نسبت سیکورٹی کونسل کا رویہ اب زیادہ مصالحت جویانہ ہے اور ہر ایک ممبر کی بھی رائے، ہے کہ اس کا حل مصالحت کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔" چند ہی دن پہلے بمبئی ہی میں اُس کے ایک سرکردہ نیشنل کانفرنسی رفیق کار نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سیکورٹی کونسل نے مسئلہ کشمیر کو بہت اُلجھایا ہے اور اب موقع آگیا ہے کہ اِسے اقوام متحدہ سے واپس لایا جائے، شیخ عبداللہ نے بڑے غصہ میں اس بیان کی تردید کی۔

ریاست میں واپس آکر شیخ عبداللہ نے ۲۰ر فروری ۱۹۵۲ء کو جموں میں ایک براڈکاسٹ کے دوران میں کہا کہ "پیرس اور لندن میں مجھے جن لوگوں کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوا اُن میں پریس کے نمایندے، اقوام متحدہ میں مختلف ممالک کے نمایندے اور برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر شامل ہیں۔ انھوں نے اخبارات میں کشمیر کی ترقی کے بارہ میں جو کچھ بھی پڑھا تھا اُس سے وہ کافی متاثر ہوئے، تھے۔"

۲۵ر مارچ ۱۹۵۲ء کو اُس نے ریاست کی مجلس آئین ساز کو اِسی

انداز سے مخاطب کرتے ہوئے کہا :۔

"کشمیر کے مسئلہ کے بارہ میں مختلف ممالک کے رویہ میں نمایاں فرق واقع ہوا ہے۔ وہ اب حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کا مطالعہ کرنے لگے ہیں اور یہ مسئلہ آج تک غلط بیانیوں کے جس پردے کے پیچھے پڑا رہا وہ اب اُٹھنے لگا ہے۔" "خود مختار" کشمیر کا جو متبادل حل پیش کیا جاتا تھا اُس کا حوالہ دیتے ہوئے شیخ عبداللہ نے یوں رائے زنی کی :۔

"آئیے اتمام حجت کے لئے یہ تسلیم کریں کہ یہاں کے لوگ الحاق کی توثیق نہیں کرتے۔ اِس سے جو صورتِ حال پیدا ہو گی وہ یہ نہیں ہو گی کہ کشمیر قدرتی طور پر پاکستان کا حصہ متصوّر ہو گا۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ یہ کوئی قانونی یا آئینی صورت نہیں ہو گی۔ ایسے حالات میں یہی ہو گا کہ کشمیر کی حیثیت وہی رہے گی جو اسے الحاق سے قبل حاصل تھی ہمیں اِس بارہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

شیخ عبداللہ نے اپریل ۱۹۵۲ء میں رنبیر سنگھ پورہ میں جو تقریر کی اُس کا پسِ منظر بھی تھا۔ اُس نے امریکہ کی فیاضی اور "جمہوری اصولوں کا تحفظ" کرنے کی صلاحیت اور طاقت کی تعریفیں کرنا شروع کیں۔ ہندیونین کے ساتھ ریاست کے مالی ادغام کی اسکیم کی نسبت بات چیت میں ہندوستانی افسروں نے جو رویہ اختیار کیا تھا بظاہر اُس سے مشتعل ہو کر شیخ عبداللہ نے جو تقریر کی اُس میں اُس نے ہندوستان کے ساتھ ریاست کے قائم کردہ رشتہ سے انحراف کیا۔ اُس نے ہندوستان کے فرقہ پرست عناصر پر یہ الزام لگایا کہ اُنھوں نے کشمیر اور ہندوستان کے باہمی رشتہ کو کمزور کر کے الحاق کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے

کہ شیخ عبداللہ نے ہندوستان سے علیحدگی کے لئے ایک صریح فیصلہ کر لیا تھا۔
اُس نے صرف فرقہ پرست عناصر کا ذکر کیا اور غیر مذہبی جمہوریت کے حق میں
اُن طاقتور عناصر کی نسبت ایک لفظ بھی اُس کے مُنہ سے نہ نکلا جن کی قوت
گزشتہ عام انتخابات میں غیر مبہم طور پر ظاہر ہوئی تھی۔ اُس کی اِس روش کا
مقصد ہندوستان اور جموں کے فرقہ پرستوں کو اشتعال دلانا تھا۔ صوبۂ کشمیر میں
جہاں شیخ عبداللہ کا اثر عوام پر سے اُٹھتا جا رہا تھا، اُس کی پالیسی فرقہ پرستوں
کی حمایت حاصل کرنے کے درپے تھی۔ ۵۲-۱۹۵۱ء کی سردیوں میں کشمیر کی ابتر
غذائی حالت حکومت کے لئے زبردست بدنامی کا موجب بنی لوگوں کے بنیادی
اقتصادی مسائل خاص کر خوراک کے مسئلہ کو حکومت حل کرنے میں بُری طرح
ناکام ہوئی تھی۔ شیخ عبداللہ اِن مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر
اپنی تقریروں میں فرقہ پرستی کو ہوا دینے لگا۔ اُس کے دماغ پر بیرونی امداد
کے بل بوتے پر ایک نوکر شاہی نوعیت کے "خود مختار" کشمیر کا خواب
طاری تھا۔

شیخ عبداللہ کی افتراق پسند کارروائیوں اور ہندوستان کے ساتھ
کشمیر کے تعلق کے خلاف اُس کی گول مول تقاریر کا مطلب ایک تو کشمیری عوام
کو فرقہ پرستی کی راہ پر لگانا اور دوسرے بیرونی دنیا کی حمایت حاصل کرنا تھا
بیرونی ممالک میں بین الاقوامی حلقوں نے اِن باتوں کا بڑا خیر مقدم کیا۔

ٹائمز نے ۸ مئی ۱۹۵۲ء کو اپنے ہفتہ واری ایڈیشن کے ایڈیٹوریل
میں رائے زنی کرتے ہوئے لکھا:۔

"اگر آج تک دہلی اور کشمیر میں یہ گمان غالب رہا ہے کہ شیخ عبداللہ اور
اُس کی نیشنل کانفرنس پارٹی کشمیر اور ہندوستان کے تعلقات کو مضبوط بنانے

کے لیے ایک آلۂ کار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تو وہ وقت آن پہنچا ہے جب اس مفروضہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ شیخ عبداللہ نے یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ وہ ہندوستان کے غلبہ کے اسی قدر خلاف ہے جس قدر پاکستانی غلبہ کے۔ وہ ایک ایسی خود مختارانہ پوزیشن کا مطالبہ کرتا ہے جس پر ہند یونین کا آئین کوئی پابندیاں عاید نہ کر سکے۔ وہ جانتا ہے کہ اسے بیرونی سرپرستی قبول کرنی پڑے گی مگر وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ کشمیر کے لوگوں کو اپنے آپ پر خود حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ عندیہ جنگ بندی کی سرحد کے دونوں طرف رہنے والے کشمیریوں کو قبول ہے! اور اگر خالص کشمیری قوم پرستی کی یہ تحریک تقویت پکڑے تو عین ممکن ہے کہ یہ ہندوستان، پاکستان اور اقوام متحدہ کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ آیندہ اقدام کی نسبت اپنے نقطہ ہائے نظر کو بدل دیں۔"

اخبار مانچسٹر گارڈین نے اپنی ۲۶ رجون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا ہے :۔

"صاف ظاہر ہے کہ شیخ عبداللہ نے کم و بیش اتفاقی طور پر چند ایسے آئینی امور کو چھیڑا ہے جن کا تصفیہ کرنا بہت ہی مشکل ہو گا۔ عین ممکن ہے کہ ہندوستان کو مضبوط بنانے کی بجائے کشمیر کا الحاق اس کے لیے خلفشار کا باعث بنے۔ کیا یہ امر دوبارہ یہی ثابت نہیں کرتا کہ صرف تقسیم ہی کشمیر کا واحد اور تسلی بخش حل ہے......"

۱۴ راپریل ۱۹۵۲ء کو نیو یارک ٹائمز میں نئی دہلی سے ذیل کی خبر شائع ہوئی :۔

"ریاست جموں و کشمیر کی خود مختاری کے لیے ہندوستانی مقبوضہ

کشمیر کے پرائم منسٹر شیخ محمد عبداللہ کے زوردار دعووں سے ہندوستان میں بڑی تشویش پیدا ہوئی ہے .... ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبداللہ نے اپنے اشتعال انگیز بیانات کے لئے جان بوجھ کر ڈاکٹر گراہم کی رپورٹ کے شائع ہونے کا وقت چن لیا ہے .... شیخ عبداللہ جو کہ ریاست کے ۴/۵ حصّہ کا پرائم منسٹر ہے اور جسے ہندوستان کی حمایت حاصل ہے اُس نے حال ہی میں اپنی آئین ساز اسمبلی کو بتایا کہ یہ مجلس سو فیصدی خودمختار ہے۔ اور یہاں پر کسی پارلیمنٹ کو، خواہ وہ ہندوستان کی ہو یا کسی دوسرے ملک کا، کوئی اختیار حاصل نہیں"

۲۳ر اپریل ۱۹۵۲ء کو اخبار سکاٹس مین نے ہندوستان کی نسبت شیخ عبداللہ کے بدلے ہوئے رویہ کے بارہ میں او۔ ایم۔ گرین کا ایک طویل مراسلہ شائع کیا۔ گرین نے اپنے مراسلہ کے اخیر میں لکھا تھا کہ :-

"(شیخ عبداللہ کی) اِن تقاریر سے اِس بارہ میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ سیاسی طور پر شیخ عبداللہ کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ پھر اُس کی عینیت پرست رگ پھڑک اُٹھی اُس نے کہا کہ ہم کشمیری ہندوستان اور پاکستان کے مابین ایک پل کا کام دینا چاہتے ہیں اور انھیں محبت کی طاقت سے ایک دوسرے سے ملانے کے خواہاں ہیں۔ اگر یہ محبت موجود ہو تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو پھر سے متحد کر کے ایک ملک قائم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہمارا یہ خواب حقیقت بن جائے تو مجھ سے زیادہ کوئی بھی شخص اِس بات پر فخر محسوس نہیں کرے گا"

۲۶ر اپریل ۱۹۵۲ء کو لندن ٹائمز میں اِس کے سری نگر کے نامہ نگار کا حسب ذیل مراسلہ "شیخ عبداللہ کا ایماء خودمختاری کی طرف"

کے عنوان کے تحت شائع ہوا:۔

"شیخ عبداللہ نے آج (۲۵ اپریل ۱۹۵۲ء) ہندوستان کے خلاف اپنی سب سے زبردست تقریر میں، کہا کہ کشمیر کا وجود ہندوستانی روپیوں، یا تجارت یا دفاعی افواج کا مرہونِ منت نہیں اور مجھے یہ توقع نہیں کہ ہندوستانی امداد کسی طور پر مشروط ہو۔ دھمکیوں اور طعنہ زنی سے ڈر کر میں کبھی ذلیل انداز میں سر تسلیم خم نہیں کروں گا۔"

۱۰ مئی ۱۹۵۲ء کو اکانومسٹ نے مندرجہ ذیل رائے ظاہر کی:۔

"(لداخ اور جموں کو وادی سے جدا کرنے کی) اس دلیل نے فضا کو صاف کرکے شاید سر اووِن ڈکسن کی علاقائی رائے شماری کی تجویز کی طرف رجوع کرنے کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ اس جھگڑے کی جڑ یعنی وادیٔ کشمیر تک محدود ہو کر رہے گا۔ اسے پھر ایک خاص معاملہ کی حیثیت دی جا سکتی ہے کیونکہ اس معاملہ کی نوعیت ہی خاص ہے۔"

فرقہ پرستی کی راہ پر

۱۹۵۲ء کے موسم گرما میں شیخ عبداللہ نے کشمیر میں اپنی رنبیر سنگھ پورہ کی تقاریر کی نہج پر تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اُس نے وادی میں پاکستان کے حامی عناصر کے ساتھ گہرا رابطہ قائم کیا اور اُنھیں مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے موجودہ رشتہ کی بجائے دوسرے متبادل حلوں کو زیر غور لائیں۔ اس نئے رویہ کی بنا پر اُس نے کشمیری متوسط طبقہ، ملازم اور بیوپاری عناصر پر مشتمل ایک "مسلم سالڈرٹی" گروپ کی حمایت حاصل کرنا شروع کی۔ وہ نیشنل کانفرنس کی تنظیم، کیبنٹ

میں اپنے رفقاء کی اکثریت اور مجلس آئین ساز کے اکثر ممبران کو جو نیشنل کانفرنس کی بنیادی پالیسی میں کوئی بھی تبدیلی کرنے کے خلاف تھے، کچل دینا چاہتا تھا۔ یہی وہ بد اعتمادی کی فضا تھی جس میں جولائی ۱۹۵۲ء میں معاہدۂ دہلی پر دستخط کیے گئے۔ پرائم منسٹر نہرو اگست ۱۹۵۲ء میں کشمیر کے دورہ پر آیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ بات شیخ عبداللہ پر واضح کر دی کہ اسے تمام مسائل کی نسبت کوئی ایک رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہندوستان کشمیریوں کی خواہشات کی قدر کرنے، اُن کی اندرونی خود اختیاری کی ضمانت دینے اور ممکن حد تک ہر قسم کی مالی امداد دینے کے لیے تیار تھا۔ اس نے شیخ عبداللہ سے کہا کہ وہ ایک ایسے "خود مختار" کشمیر کی خیالی امیدوں کا سہارا لینا چھوڑ دے جو بیرونی امداد کے بل بوتے پر قائم ہو۔ اس کی بجائے اُسے عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے اور ملکی نظم و نسق کو مستحکم کرنے کے لیے تمام قومی طاقت کو صرف کرنا چاہیے۔

اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ مدت کے لیے شیخ عبداللہ غیر ذمہ دارانہ تقریریں کرنے سے باز رہا۔ جہاں تک موروثی ڈوگرہ خاندان کی حکومت کے خاتمہ، ریاست کے سردار موسوم بہ صدر ریاست کا انتخاب اور ریاست کے لیے علیحدہ جھنڈے اور نشان کے اجراء کا تعلق تھا، اُس نے اپنی تمام تر کوششیں معاہدۂ دہلی کو عملی صورت دینے پر مرکوز کیں۔ اس وقت ہندو مہاسبھا، رام راجیہ پریشد، جن سنگھ اور پرجا پریشد کی فرقہ پرست جماعتوں نے ہندوستان اور جموں میں اپنی تفرقہ پرور سرگرمیاں شروع کر کے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے مکمل الحاق کا شر انگیز نعرہ بلند کیا۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے، جو ہندوستان کے ساتھ ریاست کے مکمل الحاق کی تحریک کی رہنمائی

کرتا تھا، تجویز کیا کہ جموں اور لداخ کو ریاست سے علیحدہ کر کے مکمل طور پر ہندوستان میں مدغم کر لینا چاہیئے اور صوبۂ کشمیر کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی قسمت کا فیصلہ کرے۔ حقیقت میں یہ ریاست کی تقسیم اور "خود مختار" کشمیر کے قیام کے متعلق وہی دلیل تھی جو بیرونی طاقتوں نے پیش کی تھی۔ ۵۳-۱۹۵۲ء کی سردیوں کے مہینوں میں جب جموں میں پرجا پریشد اور ہندوستان میں جن سنگھ، اور مہا سبھا کی تحریک زوروں پر تھی، شیخ عبداللہ نے ڈاکٹر مکرجی کے ساتھ خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں جو الم ناک واقعات رونما ہوئے اُن میں اُس حد تک بڑی ستم ظریفی پائی جاتی ہے جس حد تک ڈاکٹر مکرجی اور شیخ عبداللہ کے سیاسی مقاصد کے ڈانڈے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اُن کے مقاصد وہی تھے جن کی وکالت بیرونی طاقتیں کر رہی تھیں۔ رنبیر سنگھ پورہ کی اہم تقریر کے بعد شیخ عبداللہ نے جو تقاریر کیں اُن کی نسبت غیر ملکی پریس کا جو ردِ عمل رہا وہ اس نکتہ کو واضح کر دیتا ہے اور قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ بیرونی طاقتوں اور ہندوستان کے ہندو فرقہ پرستوں اور کشمیر کے مسلمان فرقہ پرستوں کی حکمت عملیوں کی منزلِ مقصود ایک ہی تھی اگرچہ اُن کے وجوہ اور طریقہ ہائے کار ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

معاہدہ دہلی

جولائی ۱۹۵۲ء کے معاہدۂ دہلی کی اہمیت کا اندازہ نہ صرف اُس اندرونی استحکام سے لگانا ہوگا جس پر یہ منتج ہوتا بلکہ اُس ناکامی سے بھی جو کشمیر میں بیرونی مداخلت کی مختلف سازشوں اور چالوں کو نصیب ہوئی۔ اس نے

بیرونی طاقتوں اور اندرونی انتشار پرور عناصر کی اُن سازشوں کا گلا گھونٹ دیا جو کشمیر کو ہندوستان سے الگ کرنے کے لئے جاری تھیں۔ امریکی پریس۔ نے جس غم و غصّہ کا اظہار کیا اُس کا جائزہ لینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ۲۵ رجولائی ۱۹۵۲ء نیویارک ہیرلڈ ٹربیون نے لکھا:۔

"یہ کارروائی اقوام متحدہ کی اُن اَن تھک کوششوں کی راہ میں نئی اور شاید ُرکاوٹیں پیدا کرے گی جو وہ کشمیر میں ایسے حالات پیدا کرنے کے لئے کر رہی ہے جن میں اِس کے باشندوں سے منصفانہ رائے عامہ دریافت کی جائی ممکن ہو۔"

نیویارک ٹائمز نے اپنی ۲۶ رجولائی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"ڈاکٹر فرینک گراہم نے اقوام متحدہ کی جانب سے مصالحت کنندہ کی حیثیت میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے تجویز کیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تنازعہ کی بات چیت نمائندوں کی سطح سے وزارت کی سطح پر لائی جائے۔

"ٹھیک اِسی موقعہ پر پرائم منسٹر نہرو نے ہندوستانی پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق قانون اور حقائق دونوں کے نقطۂ نظر سے مکمل ہے۔ کشمیر ہندوستان کا ایک حصّہ ہے۔ پنڈت نہرو نے بذاتِ خود پہلے رائے عامہ کی تجویز پیش کی تھی مگر اُس کی موجودہ روش مشکل ہی اُس منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔"

شیخ عبداللہ نے معاہدۂ دہلی سے عملی طور پر فائدہ اُٹھاتے ہوئے صدرِ ریاست کا انتخاب کروایا۔ مہاراجہ نے اپنے تمام اختیارات یوراج کرن سنگھ کو بحیثیت ریجنٹ کے منتقل کئے تھے۔ اب وہی اختیارات

شری کرن سنگھ کو منتخب شدہ صدر ریاست کی حیثیت سے حاصل ہو گئے تھے۔ اُسے
اب صرف پرائم منسٹر کی تقرری کا صریح اختیار اور معنوی اعتبار سے اُسے برطرف
کرنے کا اختیار حاصل رہا۔ شیخ عبداللہ نے سوچا کہ اُسے پرائم منسٹر کی حیثیت
میں آئینی طور پر مکمل اختیارات حاصل ہو گئے ہیں۔ یہی وہ مقصد تھا جسے وہ
معاہدۂ دہلی کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے جان بوجھ کر معاہدۂ دہلی کو عملی صورت دینے میں تاخیر سے
کام لیا۔ کیونکہ اس سے کشمیر اور ہندوستان کے باہمی تعلقات اور زیادہ قریبی
اور قوی ہو جاتے۔ وہ موقعہ کی تاک میں لگا ہوا تھا اور بڑی ڈھٹائی سے
اپنی افتراق پسند پالیسی پر کاربند تھا۔ وہ "خودمختار" کشمیر کے منصوبہ کو
چھیڑ کر امریکی پریس کے لئے مواد بہم پہنچاتا رہا۔ یہ بات ۱۹ دسمبر ۱۹۵۲ء
کے کرسچین سائنس مانیٹر میں گارڈن گراہم کے تاثرات سے صاف ظاہر
ہے :-

"ہندوستان کے ساتھ دوستی کے باوجود شیخ عبداللہ کی وفاداری
سب سے پہلے کشمیر کے ساتھ ہے۔ اُس کا اور اُس کے ہم وطنوں کا یہ پکا خیال
ہے کہ کشمیر کوئی ایسی بھولی بھٹکی ریاست نہیں جو کسی قوم کے دامن کے ساتھ
چمٹنا چاہتی ہے بلکہ ایک ایسی قوم ہے جسے اپنی ہستی کا سراغ مل رہا ہے۔
چونکہ کشمیر کے شمال میں سوویت روس اور کمیونسٹ تبت واقع ہیں
اس لئے شیخ عبداللہ کے نقطۂ نظر کے مطابق کشمیر کو مستقبل میں کسی ملک کے
ساتھ الحاق نہیں کرنا چاہیئے بلکہ بڑی طاقتوں کی کسی ایک صف میں ایسی
شرائط کے تحت شامل ہونا چاہیئے جن سے اِسے زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل
ہو اور اس کی حفاظت کا بندوبست ہو۔ شاید وہ یہ خواب دیکھ رہا ہے کہ ایک

دن کشمیر مشرق کا سوئٹزرلینڈ بنے گا۔ سوئٹزرلینڈ کے ساتھ کشمیر کی ظاہری مشابہت تو شک و شبہ سے بالاتر ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ کشمیر کی غیر جانبداری کی ضمانت اردگرد کے سبھی ممالک سے حاصل ہو۔ محصول کسٹم اور دیگر مروجہ سرحدی دستور کے لحاظ سے کشمیر آج بھی ایک خود مختار ملک کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کے باشندے اِسے 'ہماری ریاست' نہیں کہتے بلکہ 'ہمارا ملک' کہتے ہیں۔"

پرجا پریشد اور جموں کی اندرونی خود اختیاری کا سوال

جو لوگ جموں میں پرجا پریشد کے اغراض اور کارروائیوں سے بنیادی طور پر اختلاف رکھتے تھے اُنھیں شیخ عبداللہ کے اُس طرزِ عمل پر سخت حیرانی ہوئی جو اُس نے اِس مسئلہ کو نپٹانے کے سلسلہ میں روا رکھا۔ ۵۳-۱۹۵۲ء کی سردیوں میں جب سارے صوبۂ جموں میں پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن زوروں پر تھی شیخ عبداللہ کرکٹ اور دوسری باتوں میں وقت ضائع کرتا رہا۔ اگرچہ اُسے یہ بخوبی معلوم تھا کہ اصل میں جموں کا مسئلہ محض امن و امان قائم رکھنے کا سوال نہیں مگر وہ اسی نقطۂ نظر سے اسے نپٹاتا رہا۔ اور اُس کی غیر ذمہ دارانہ تقاریر سے متعلقہ حکام کو امن و امان قائم رکھنے میں بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ اُس نے جموں کے لوگوں کی نفسیات کو بالکل ہی نظر انداز کیا۔ اگرچہ کشمیر کے لوگوں کی اقتصادی بدحالی جموں کے باشندوں سے کچھ کم نہ تھی مگر مؤخر الذکر اس سے واقف نہ تھے۔ پرجا پریشد اور سنگھی رہنماؤں نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے اس اقتصادی بدحالی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ شیخ عبداللہ نے گمراہ کُن مشیروں کے داؤں میں آکر لوگوں کے دلوں میں یہ شک پیدا کیا کہ وہ ڈوگروں کی زبان اور اُن کے کلچر

کی ترقی کا مخالف ہے۔

شیخ عبداللہ کا خیال تھا کہ وہ جموں کے مسئلہ کو سیاسی طور پر حل کر سکتا ہے اور اُس نے کچھ اشتعال انگیز طریقہ پر بظاہر بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈوگروں کو یہ بتایا کہ اگر وہ چاہیں تو اُنھیں حقِ خود اختیاری دیا جائے گا جس میں ہندوستان کے ساتھ مدغم ہونے اور کشمیر سے علیحدہ ہونے کا حق بھی شامل ہوگا۔ منطقی طور پر اِس سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ وادیٔ کشمیر اور جموں کے کچھ علاقوں کو بھی حقِ خود اختیاری مع ہندیونین سے علیحدگی کے حق کے حاصل ہوگا۔ دراصل یہ "خود مختار" کشمیر کے لئے ایک مکارانہ چال تھی جس سے علیحدگی کا الزام جموں کے لوگوں پر عاید کیا جا سکتا۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے اِس چال کو سمجھتے ہوئے ۶ جنوری ۱۹۵۳ء میں کانگریس کے حیدر آباد کے اجلاس میں کہا "یہ ایک ذلیل اور مکروہ تحریک تھی جس کو اگر روکا نہ جاتا تو یہ ریاست جموں و کشمیر کی علیحدگی کا باعث بنتی اور اقوامِ متحدہ کے سامنے ہندوستان کے دعویٰ کو بڑا نقصان پہنچاتی۔"

اس طرح اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ عبداللہ نے کیوں پرجا پریشد کی تحریک کو پنپنے کا موقعہ دیا اور ڈاکٹر مکرجی کے ساتھ طویل خط و کتابت شروع کی۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ مسئلہ اچانک طور پر نازک صورت اختیار کرے تاکہ ہندوستان تنگ آکر اُس کے "خود مختار" کشمیر کی تجویز کو بہترین متبادل حل سمجھ کر تسلیم کرے۔ یہ تجویز انجمن اقوام متحدہ میں بیرونی طاقتوں کے ذریعہ پیش کی جاتی۔

۱۹۵۳ء کی ابتدا میں مجلس آئین ساز کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے اجلاس سے پہلے ہی شیخ عبداللہ نے کئی آفیسروں کو جموں کے لئے خود اختیاری کی ایک سکیم تیار کرنے کی ہدایت کی اُس کی صریح ہدایات سے یہ صاف ظاہر ہوتا

تھا کہ اُس کا دماغ ایک خاص اور خطرناک روش پر کام کر رہا ہے۔ اُس نے فرقہ وارانہ بنیادوں پر ریاست کی حد بندی کرنے کی ہدایت کی تاکہ غیر متنازعہ طور پر ہندو اکثریت والے علاقوں کو مکمل طور پر ہندوستان میں مدغم ہونے یا اپنی مرضی کے مطابق اندرونی خود مختاری حاصل کرنے کا موقع ملے اور مسلم اکثریت والے علاقوں کو علیحدہ طور پر اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہو اور ہندو اکثریت والے علاقے اگر ہندوستان میں مدغم ہونے کا فیصلہ کریں تو وہ الحاق کو مسترد کر سکیں۔ شیخ عبداللہ کا خیال تھا کہ گلگت اور پونچھ پاکستان میں اور جموں کے ہندو اکثریت والے علاقے اور لداخ ہندوستان میں مدغم ہو جائیں گے اور وادیٔ کشمیر اور جموں کے کچھ علاقوں پر مشتمل ایک خود مختار ریاست قائم ہوگی۔ اِس طرح "خود مختار" کشمیر کے لئے جسے ہندوستان، پاکستان اور انجمن اقوام متحدہ کی ضمانت اور امداد حاصل ہوتی، راستہ ہموار ہو جاتا۔

اڈلائی سٹیونسن

اپریل ۱۹۵۳ء کے اختتام پر شیخ عبداللہ دفاتر کے موسمی انتقال کے موقع پر جموں سے سرینگر چلا آیا۔ لوگوں کو اندیشہ تھا کہ مارچ میں بانہال روڈ کھلنے کے ساتھ ساتھ کچھ گڑبڑ شروع ہوگی۔ کشمیر کے سیاسی حلقوں میں ایک پُراسرار افواہ اُڑ رہی تھی کہ "سیاسی لائحۂ عمل" بدل گیا ہے۔ کشمیر میں ایک نئی جماعت پولٹیکل کانفرنس معرض وجود میں آگئی تھی جسے شیخ عبداللہ کے رفیق کار اور سیاسی مشیر مرزا محمد افضل بیگ کی سرپرستی حاصل تھی۔ "مارل ری آرمینٹ" والوں نے کشمیر میں اپنی سرگرمیاں شروع کی تھیں۔ مسٹر ڈلس نے انہی دنوں اپنے مشرق کے دورہ کا اعلان کیا تھا اور اُس کے پروگرام میں ہندوستان

اور پاکستان کا دورہ بھی شامل تھا۔ اس امر کی کافی تشہیر کی گئی تھی کہ وہ کشمیر کے بارہ میں ایک نیا منصوبہ اپنے ساتھ لا رہا تھا۔

امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر مسٹر اڈلائی سٹیونسن نے ۱۹۵۲ء کے صدارتی انتخابات میں شکست پانے کے بعد ہی اپنے عالمگیر دورہ کے پروگرام کا اعلان کیا تھا۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کے شکاگو ٹریبون میں الکس سمتھ کی ایک رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر محمد علی جو اُس وقت امریکہ میں پاکستان کا سفیر تھا مسٹر سٹیونسن سے یہ پوچھنے کے لئے شکاگو چلا گیا کہ "پاکستان اسکے عالمگیر دورہ کے سلسلہ میں کیا سہولت بہم پہنچا سکتا ہے"۔ ضمنی طور پر اس بات کا بھی ذکر ہوا کہ مسٹر محمد علی کرنل رابرٹ۔ آر۔ میکارمک سے بھی ملا۔ اور اُسے پاکستان آنے کی دعوت دی۔ آزادی کا یہ بڑا علمبردار "شکاگو ٹریبون" کا پبلشر اور ایڈیٹر ہے۔ مسٹر محمد علی نے کشمیر کے جھگڑے کے بارہ میں بھی بات چیت کی اور پاکستان کی غذائی کمی کے لئے ہندوستان کی اِس پالیسی کو ذمہ دار ٹھہرایا جو اُس نے نہروں کے پانی کے سلسلے میں اختیار کر رکھی ہے۔ اس نے نہری پانی کے مسئلے کو کشمیر کے سوال کے ساتھ ملا کر کہا کہ "ہمارے لوگ بھوکے رہنے پر لڑنے کو ترجیح دیں گے"۔ جب محمد علی کو وزیر اعظم بنائے جانے کی تیاری ہو رہی تھی وہ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ مشرق وسطیٰ کے دفاعی معاہدہ اور پاکستان اور امریکہ کے مابین فوجی اتحاد کے لئے فضا سازگار بنا رہا تھا۔

یہ ایک عُریاں حقیقت ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی دفاعی تنظیم پاکستان کے ساتھ اتحاد کے قیام اور ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعلقات اور مسئلہ کشمیر وغیرہ خارجی معاملات کی نسبت امریکی ایڈمنسٹریشن اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ دونوں پارٹیوں کی متفقہ پالیسی پر کاربند ہے۔ مسٹر ڈلس اور مسٹر سٹیونسن کے

مقاصد ان کے طریق کار کے مختلف ہونے کے باوجود ایک ہیں۔ پاکستان نے اس مفاہمت کی بنا، پر مشرقِ وسطیٰ کے دفاع کے لیئے امریکی منصوبوں کو فوراً گرمجوشی سے لبیک کہا ہے کہ کشمیر کو بھی اِن منصوبوں میں یا تو پاکستان کے ایک حصہ کی حیثیت سے براہِ راست یا ایک "خود مختار" ریاست کی شکل میں بالواسطہ شریک کیا جائے گا۔ کمیونسٹ ممالک کو گھیرے میں ڈالنے کے عالمگیر منصوبہ کے ساتھ کشمیر کو وابستہ کرنے میں امریکی خارجی پالیسی زبردست دلچسپی رکھتی ہے۔ کشمیر کی فوجی اہمیت مشرق وسطیٰ، وسط ایشیا اور تبت کے متعلق ان کے منصوبوں کے سلسلہ میں نظر انداز نہیں کی جاسکتی ہے۔ اِن منصوبوں کے بارہ میں امریکہ کے سرکردہ اخباروں اور مدیروں کی جو رائے ہے اگر ہم یہاں اس کے اقتباسات پیش کریں تو کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں مختلف بیرونی طاقتوں کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔

مسٹر سٹیونسن یکم مئی ۱۹۵۳ء کو "حقیقی صورتِ حال دریافت کرنے کے لیئے" چار روزہ دورہ پر وارد سرینگر ہوا۔ اس اثنار میں اس نے تین دفعہ شیخ عبداللہ سے ملاقات کی جو کُل سات گھنٹہ جاری رہی۔ اِس نے پرائیویٹ طور پر ہلٹن کلارک اور ایڈمنڈز کے ساتھ بات چیت کی اور ان کے ساتھ قزاقوں کے کیمپ کا دوستانہ معائنہ کیا۔ جب اُن سے شیخ عبداللہ کے ساتھ بات چیت کے متعلق پوچھا گیا تو اُس نے شیخ صاحب کے خیالات سے اتفاق ظاہر کیا۔ اس نے کہا "کوئی بھی حل جو جلدی میں کشمیر پر ٹھونسا جائے گا۔ اس مسئلہ کا صحیح حل نہیں ہوگا کیونکہ اس میں پہلی فوقیت کشمیریوں کے مفادات کو حاصل ہونی چاہیئے"۔ مزید رائے زنی کرتے ہوئے اس نے کہا

کہ "اگر خیر سگالی کا جذبہ موجود ہو اور تعجیل سے کام نہ لیا جائے، تو ایک ایسا حل جو کشمیریوں کو قابلِ قبول ہو یا جسے وہ کم از کم خاموشی سے تسلیم کر لیں انسانی فہم و فراست سے دور نہیں۔ دونوں ہمسایہ ممالک کو جنھیں کشمیر کی خوش حالی سے دلچسپی ہے ایک منصفانہ حل دریافت کرنے میں اس کی امداد کرنی چاہیے"۔

اِس کے اس پُر اسرار فقرے سے کہ "اگر مقامی باشندوں کی خواہشات کی قدر کی جائے، تو مسئلہ کشمیر خود بخود حل ہو جائے گا"۔ لوگوں کے دلوں میں اس بات کے بارہ میں کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہا کہ وہ شیخ عبد اللہ کے "خود مختاری" والے حل سے اتفاق رکھتا ہے۔ نیو یارک ٹائمز (۱۴ر مئی ۱۹۵۳ء) کے نئی دہلی میں مقیم نامہ نگار کے مطابق "جب مسٹر سٹیونسن سے یہ پوچھا گیا کہ کشمیر کے بارہ میں ہندوستان اور پاکستان کے جھگڑہ کی نسبت اس کی کیا رائے ہے تو اُس نے اس کے حل کے لیے پہلا قدم یہ تجویز کیا کہ پرائم منسٹر نہرو اور پرائم منسٹر محمد علی کے درمیان براہ راست مشورہ ہونا چاہیے"۔

پاکستان کے سیاسی حلقوں اور پریس نے مسٹر سٹیونسن کے دورۂ پاکستان اور "آزاد" کشمیر کو کافی اہمیت دی اور اس کی رائے زنی کو "ایک اہم ایماء" قرار دیا۔ ۲۲ر مئی ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں "پاکستان ٹائمز" نے لکھا کہ "اِس امر کے باوجود کہ مسٹر سٹیونسن گزشتہ انتخابات میں امریکہ کی موجودہ حکومت کا مخالف تھا "آزاد" کشمیر کے رہنماؤں کے ساتھ اس کی ملاقاتوں اور اس کے دورہ کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جا سکتا۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کا بڑا آرزو مند تھا اور آزاد کشمیر کے رہنماؤں کے ساتھ اپنی دو گھنٹہ کی ملاقات کے دوران میں اِس نے اِس جھگڑہ کو حل کرنے کے لیے قریباً چھ حل پیش کیے"۔

پاکستان ٹائمز نے آگے چل کر لکھا تھا کہ "اِس نے جب یہ کہا کہ ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کو اِس معاملہ پر براہ راست گفت وشنید کرنی چاہیے تو اس نے دراصل کشمیر کے مسئلہ پر امریکی پالیسی کی نسبت ایک اشارہ کیا تھا" سٹیونسن نے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ ہندوستان اور پاکستان کو باہمی طور پر براہِ راست بات چیت میں متبادل حلوں کو زیر بحث لانا چاہیے، خاص کر ایک ایسے حل کو جو "مقامی باشندوں" کے موافق ہو جن کا نمایندہ وہ شیخ عبداللہ کو سمجھتا تھا۔

اس کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۵۳ء کو مشہور باخبر برطانوی اخبار "مانچسٹر گارڈن" نے لکھا "کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر سٹیونسن نے یہ تجویز بڑے غور سے سُن لی ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان دونوں سے الگ رہ کر خود مختار رہے" اس اخبار نے مزید لکھا تھا کہ "اُس نے اپنی واپسی پر نئی دہلی میں اس بات کا ذکر بھی کیا اور شاید اس سے ہندوستان میں کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ شاید شیخ عبداللہ اپنے بل بوتے پر واشنگٹن کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے منصوبے باندھ رہا ہے"

بعد میں ایک رسمی تردید سے جو نئی دہلی سے امریکی سفارت خانہ کے ذریعہ بھیجی گئی تھی اور ۱۵ ستمبر ۱۹۵۳ء کے ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہوئی، مسٹر سٹیونسن نے اپنی گزشتہ بات چیت کی یاد دلاتے ہوئے کہا تھا کہ شیخ عبداللہ نے باتوں باتوں میں یونہی کہا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ "خود مختاری" مسئلہ کشمیر کا "ایک متبادل حل ثابت ہو"

خود مختار کشمیر کے لئے کوشش

مئی ۱۹۵۳ء کے وسط میں شیخ عبداللہ نے خود اس بارہ میں پہل کی اور

ہندوستان کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے، اور اپنے نئے نظریہ کے لئے راستہ ہموار کرنے کی ایک مہم جاری کی۔ نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ۱۰ر مئی ۱۹۵۳ء کو سرینگر میں منعقد ہوئی۔ اس میں معاہدہ دہلی کی روشنی میں ریاست اور ہندوستان کے تعلقات کے بارہ میں مسلسل چار دن تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ شیخ عبداللہ نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ ہندوستان کے ساتھ تعلقات عارضی ہیں۔ اس نے تجویز کیا کہ ریاست کا آئین اسی وقت وضع کیا جاسکتا ہے اور اسکے خارجی تعلقات کی وضاحت اسی وقت کی جاسکتی ہے جب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا جھگڑا طے ہو جائے۔ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے بیرونی طور پر ہندوستان پر کافی دباؤ ڈالا گیا۔ جون ۱۹۵۳ء میں دولت مشترکہ کے وزراء اعظم کی کانفرنس کے موقع پر مسٹر محمد علی کو غیر رسمی طور پر یہ مسئلہ چھیڑنا تھا اور مسٹر نہرو کے ساتھ براہ راست بات چیت کرنا تھی۔ مسٹر جان فاسٹر ڈلس کی معیت میں مسٹر ہیرالڈ سٹاسن بھی نئی دہلی پہنچ گیا۔ وہ لوگ وزیر اعظم نہرو سے تین دن تک بات چیت کرتے رہے۔ شیخ عبداللہ کا خیال تھا کہ وقت آن پہنچا ہے۔ جب اس کی مرضی کے مطابق اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہوگا۔

کراچی میں ۲۵ر مئی کو مسٹر ڈلس نے ایک مختصر بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"ہم نے ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر گفتگو کی ہے۔ ہم خوش ہیں کہ وہ اس مسئلہ کو مستقبل قریب میں زیر بحث لا رہے ہیں۔"

دہلی کے ایک ہفتہ وار اخبار "مسیج" کی ۲۹ مئی کی اشاعت میں ایک

رپورٹ شائع ہوئی جس میں مسٹر ڈلس اور وزیر اعظم نہرو و محمد علی کی بات چیت کے بارہ میں رائے زنی کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ دونوں وزرائے اعظم کے درمیان جو براہ راست بات چیت ہوگی وہ کشمیر کے بارہ میں ڈلس پلان کے مطابق ہوگی۔ بات چیت میں مندرجہ ذیل سوالوں پر غور ہوگا۔ (۱) کیا ریاست، موجودہ یکجہتی کو کچھ دیر کے لئے قائم رکھ سکتی ہے (۲) حملہ سے پہلے کی یکجہتی کی تجدید کر سکتی ہے۔ (۳) کیا دونوں ملک اس ریاست کو پہلے ہی تقسیم شدہ متصور کرتے ہیں۔ اخبار میں مزید لکھا ہے۔

"اگر موخرالذکر صورت ہو تو کیوں نہ تقسیم کی حقیقت کو پوری طرح تسلیم کیا جائے بین الاقوامی طور پر قانونی بنایا جائے اور مناسب طریقے سے منضبط کیا جائے۔ اس غرض کے لئے ریاست کو تین علاقائی حصوں (Zones) میں تقسیم کیا جائے گا۔ پہلا علاقائی حصہ جموں اور لداخ پر مشتمل ہوگا۔ جو مکمل طور پر ہندوستان کے ساتھ مدغم کیا جائے گا۔ دوسرا علاقہ شمال میں گلگت پر اور مغربی پنجاب کی سرحد پر "آزاد کشمیر" کے علاقہ پر مشتمل ہوگا۔ جو آئینی طور پر پاکستان کو دیا جائے گا۔

"تیسرا علاقائی حصہ وادی کا ہے جو سب سے زیادہ اہم اور تمام ریاست کا کافی گرانقدر حصہ ہے اسے یا تو کچھ عرصہ کے لئے انجمن اقوام متحدہ کے مقرر کردہ ایڈمنسٹریٹر کے ماتحت جو رائے عامہ کے بارہ میں تیار کرے گا ایک بین الاقوامی علاقہ بنایا جائے۔ یا متبادلہ صورت میں اگر ہندوستان یا پاکستان انجمن اقوام متحدہ کے اس اثر و اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے تو شیخ عبداللہ اور غلام عباس کے مشترکہ کنٹرول میں ایک نیم خود مختار حکومت قائم کی جائے جسے ہندوستان اور پاکستان کی دونوں حکومتیں کوئی دس سال کے عرصے کے لئے غیر جانبداری کی ضمانت دیں۔ اس مدت میں یہاں استصواب

رائے عامہ کے ذریعہ یہ طے کیا جائے کہ وہ کسی ایک یا دوسرے ہمسایہ ملک کے ساتھ مدغم ہوگا یا یہ کہ وہ اِن دونوں ملکوں کے درمیان ایک بین الاقوامی علاقہ کی حیثیت سے رہے گا۔"

شیخ عبداللہ کے سیاسی طور پر رُخ بدلنے سے پیدا شدہ حالات کو زیرِ بحث لانے کے لئے وزیر اعظم نہرو، وزیر داخلہ ڈاکٹر کاٹجو کی معیت میں قلیل عرصہ کے لئے کشمیر آئے۔ انھوں نے ۲۳ اور ۲۴ مئی کو شیخ عبداللہ کو اُس پالیسی اور خاص کر اُس انتشار کے خطرناک نتائج، جو وہ اپنی گول مول تقاریر سے عوام میں پھیلا رہا تھا، کے متعلق سمجھانے بجھانے کی کوشش کی۔ پنڈت جی تھوڑی ہی دنوں کے بعد تاج پوشی کی تقریب اور دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس میں شرکت کرنے لندن جا رہے تھے۔ اِس لئے انھوں نے اِن معاملات کو شیخ عبداللہ اور اُس کے ساتھیوں کو سونپ دیا۔ اور یہ درخواست کی کہ وہ اپنی جلد بازی سے کوئی قبل از وقت بحران پیدا نہ کریں۔ کیونکہ ان اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گزشتہ برسوں کے دوران میں ملک نے جو ترقی کی ہے اُس سے ہمیں ہاتھ دھونا پڑے گا۔

ورکنگ کمیٹی کے مباحثات سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ شیخ عبداللہ اپنے دل میں کافی اُلجھنوں کے باوجود جان بوجھ کر حسبِ ذیل طریقوں سے کوشاں تھا۔

(الف) وہ اپنے کئے ہوئے وعدوں سے منحرف ہو رہا تھا اور نیشنل کانفرنس کی تنظیم، حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں اپنے ساتھیوں کی اکثریت کے فیصلوں کو ٹال رہا تھا۔

(ب) ایک براہِ راست اپیل کی صورت میں اُس نے غیر مطمئن اور

مخالف عناصر کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ ان عناصر کی اکثریت کشمیری متوسط طبقہ، پیشہ وروں اور تجارتی حلقوں پر مشتمل ہے۔ اس غرض کے لئے اُس نے فرقہ وارانہ مسئلے اُٹھائے۔ اور فتنہ انگیز تقریروں کے ذریعے ریاست کے فرقہ وارانہ اتحاد کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔

(ج) اُس نے انجمن اقوام متحدہ کے نام کشمیر کے جھگڑے کا کوئی حل تلاش کرنے کے لئے براہِ راست اپیل کی۔ جو ترمیم شدہ ڈکسن پلان کی بنیادوں پر مبنی ہو۔ اور جس کے مطابق ہندوستان اور پاکستان کی طرف سے کشمیر کی "خود مختاری"، کا یقین دلایا جائے۔ اور شیخ عبداللہ کے ذاتی منصب کو تسلیم کیا جائے۔ یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ اپنے بیرونی تعلقات کے ذریعے شیخ عبداللہ کو انجمن اقوام متحدہ کی مؤثر طاقتوں کی طرف سے ایک قسم کا یقین حاصل ہو چکا تھا۔

(د) "خود مختاری" کے پلان کے بارہ میں اس بھروسہ پر پاکستان کی رضامندی حاصل کرنا کہ اس پلان کے ذریعے ریاست اور ہندوستان کے موجودہ تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ اور یہ پُرامن طریقہ سے پاکستان کے ساتھ مضبوط تعلقات پیدا کرنے کو یقینی بنا دے گا۔ یہی وہ لائن تھی جو مسٹر بیگ نے پاکستان کے حامی عناصر کے ساتھ اختیار کی تھی۔

شیخ عبداللہ نہ صرف ہر ایک کو چکمہ دے رہا تھا بلکہ وہ "خود مختار کشمیر" میں اپنی ڈکٹیٹر شپ کو قائم کرنے کے لئے مذہبی جذبات سے اپیل کر کے لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کی بھی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ڈکٹیٹر شپ (اگر قائم رہ سکتی) بیرونی طاقتوں کی امداد سے یقینی طور پر قائم رہ سکتی تھی۔ بہر کیف اُس نے جولائی سے لے کر اگست کے ابتدائی دنوں تک اپنی تقریروں کی

صحیح عبارت کسی کو دیئے جانے کی اجازت نہیں دی۔ عام طور پر ان تقاریر وں کی عبارت تین طرح کی تھی۔ ایک تو اصل تقریر تھی جو مقامی لوگوں کے لئے تھی۔ دوسری اس تقریر کی وہ منظور شدہ مسودہ تھا جو نیشنل کانفرنس کے آفیشل آرگن روزنامہ "خدمت" میں شائع ہوتا تھا۔ یہ زیادہ وسیع مصرف کے لئے تھی۔ تیسری طرح کی عبارت وہ تھی جو ہندوستان کے اخبارات کو دی جاتی تھی۔

نیچے ہم اُن تقاریر کے چند نمونے مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ تقریریں اس زمانہ میں شیخ عبداللہ کی ہیں۔ ان تقریروں کی عبارت وہی ہے جو "خدمت" میں شایع ہوئی۔ اصل تقریریں عام طور پر لہجہ میں زیادہ درشت اور معنوں میں زیادہ زہر آلودہ تھیں۔ اگرچہ یہ کچھ عجیب سی بے ترتیب اور لمبائی میں اُکتا دینے والی تھیں۔

جامع مسجد میں جمعتہ الوداع (مورخہ ۱۲ رجون ۱۹۵۳ء) کی تقریب پر مسلمانوں کے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:۔

"سیاسی ماحول میں پھیلائی ہوئی دہشت کی حقیقی بنیاد، ہماری اپنی کمزوری ہے۔ افواہوں کا بازار گرم ہے۔ خود غرض لوگ چاہتے ہیں کہ عوام میں انتشار پھیلایا جائے۔ اسی غرض کے لئے وہ نیشنل کانفرنس کے عہدہ داروں میں شامل ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اُس تنظیم میں کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں جس نے اس ریاست کے عوام کی حالت بہتر بنانے کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔

"اگر ہم مختلف سیاسی پارٹیوں کے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جب اُنھوں نے ہاتھوں میں آئی ہوئی طاقت کا غلط استعمال کیا تو انھیں تنزل سے دوچار ہونا پڑا۔ لہٰذا جب ہماری پارٹی کے کارکنوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے سیاسی طاقت کا استعمال کیا تو نتیجے کے طور پر عوام اُن سے

بیزار ہو گئے، اور ان کا اعتماد بھی کھو بیٹھے "۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی تقریر بازیوں سے نیشنل کانفرنس کو ہدفِ ملامت بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ نیشنل کانفرنس نے اُس کی نئی پالیسی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

شیخ عبداللہ نے حاضرین جلسہ کو یقین دلایا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ایسا نہیں ہو سکتا جو کشمیر کے لوگوں کو منظور نہ ہو۔ اُس نے کہا۔

" یہ سوال بند کمروں میں حل نہیں کیا جائے گا۔ فیصلہ جو بھی ہو گا عوام کی مرضی کے مطابق ہو گا۔ اس وقت ضرورت اِس بات کی ہے کہ عوام اس کی (یعنی شیخ عبداللہ کی) لیڈرشپ پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔ کچھ لوگ تنظیم کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی غرض سے غلط افواہیں پھیلا رہے ہیں، کچھ عرصہ پہلے کہا جاتا تھا کہ ہماری پارٹی میں اختلافِ رائے، پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں کو اِس مقدس مقام پر یقین دلاتا ہوں کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں میں جو بات چیت ہو رہی ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ بنیادی اصولوں پر کوئی اختلافات نہیں ہیں (ورکنگ کمیٹی کی کارروائی کی یہ کتنی ہی صحیح رپورٹ ہے!) جب تک کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک باعزت سمجھوتہ نہ ہو جائے، کشمیری امن اور خوشحالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے "۔

۲۲ر جون ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے، شیخ عبداللہ نے کہا:-

" مجھے اِس بات کو سن کر دُکھ ہوا ہے کہ کچھ لوگ یہ غلط افواہ پھیلا رہے ہیں کہ شہر میں چند گرفتاریاں عمل میں لانے کے فیصلہ پر کابینہ کے ممبروں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ اتفاقِ رائے سے ہوا ہے بہرکیف

اس فیصلہ کے نفاذ کا کام میری کابینہ کے ایک ساتھی کا تھا جو امن و امان برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ ہمیں اُس پر مکمل بھروسہ ہے۔

"میں دوبارہ کہوں گا کہ اس ریاست کے مستقبل کے سوال کا فیصلہ یہاں کے باشندوں کو کرنا ہے۔ جو فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق نہ ہو وہ ہم پر زبردستی نہیں ٹھونسا جا سکتا۔

"پاکستان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہاں صرف مسلمانوں ہی کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ لہٰذا پاکستان کے ساتھ ہمارا بنیادی اختلاف ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہندوستان جو سیکولرازم کا دعویٰ کرتا ہے اسے کس حد تک رد بہ عمل لا رہا ہے"۔

"یہاں میں اس حقیقت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب ۱۹۴۷ء میں مجھے جیل سے رہا کیا گیا تو میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ جب تک مشرقی اور مغربی پنجاب میں فرقہ پرستی کی بھڑکتی ہوئی آگ ختم نہیں ہوتی اور وہاں مکمل امن قائم نہیں کیا جاتا۔ ہمارے لئے اُس وقت تک یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ ہم کشمیری کس ڈومینین کے ساتھ الحاق کریں۔ ہم نے یہ درخواست ہندوستان سے کی اور میرا ایک ساتھی (مسٹر صادق) اس پیغام کو لے کر پاکستان بھی بھیجا گیا۔ ہندوستان نے ہماری بات تسلیم کر لی لیکن پاکستان نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم نے اُس نازک مرحلہ پر ہندوستان سے امداد طلب کی۔ لیکن قبل اس کے کہ ہندوستانی فوجیں ہماری ریاست میں داخل ہوتیں۔ ضروری تھا کہ ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کریں۔ لیکن ہندوستان نے ہمیں اس بات کا یقین دلایا کہ جب ریاست میں حالات معمول پر آجائیں گے اور کشمیری عوام

اس الحاق کی توثیق کریں گے تو اُس وقت یہ الحاق قطعی متصور ہوگا" ورنہ نہیں۔
ہمیں اِس نکتہ کو بھولنا نہیں چاہیئے۔

(وہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ الحاق کو خارج از بحث کر کے اشارتاً "خود مختاری" کے لیئے جواز پیش کر رہا تھا)

۱۲ر جولائی ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:۔

"اس حقیقت کی طرف دھیان دینا ضروری ہے کہ اب ہندوستان اور کشمیر کے درمیان تعلقات نہیں رہے ہیں۔ کیونکہ پریشد نے ان تعلقات کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ اس کا الزام اُن لوگوں پر ہے جنھوں نے ہندوستان اور کشمیر کے تعلقات کی شدت سے مخالفت کی۔ اور ہمارے خلاف جموں اور ہندوستان میں ایجی ٹیشن شروع کیا ہے۔

"پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا ہے کہ یہ لوگ درخت کی اُس شاخ کو کاٹ رہے ہیں جس پر وہ خود بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی وجوہات کیا ہیں۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی مرحوم یہ کہنے میں حق بجانب تھا۔ کہ جب تک پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بیرونی اختلافات موجود ہیں اُس وقت تک اندرونی کشاکش ختم نہیں ہوسکتی۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کو دونوں وزرائے اعظم کی ملاقات کے نتائج کے بارہ میں اندیشہ محسوس ہو رہا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر وزرائے اعظم ریاست کو پاکستان کے حوالے کرنے پر متفق ہوگئے تو اُس صورت میں اِن کا کیا حشر ہوگا۔ دوسری طرف مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ اگر کشمیر ہندوستان کے ساتھ مدغم کیا گیا تو ان کے مفادات کو خطرہ لاحق

ہوگا۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ جب تک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان طاقت کی جنگ جاری ہے ریاست کے باشندے دوگونہ وفاداری کا اظہار کریں گے۔ جیساکہ یہ صاف طور پر عیاں ہے کہ ریاست میں دو خیالات کے لوگ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں اور ہم درمیان میں لٹک رہے ہیں۔ اس کشاکش پر غلبہ پانے کے لئے ہم نے ایک درمیانی راستہ نکالا۔ اور وہ الحاق کا موجودہ طریقہ ہے۔ بدقسمتی سے جموں میں ایجی ٹیشن شروع ہوئی۔ جسے باہر کی حمایت حاصل تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری آپس کی خلیج اور زیادہ وسیع ہوگئی۔

"اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے کہا ہے کہ وہ کشمیر کے لوگوں کے اُس فیصلہ کو تسلیم کریں گے جو وہ رائے شماری کے وقت کریں گے۔ دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور ظاہری طور پر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کا حل رائے شماری کے ذریعے کیا جائے۔ لیکن اگر عوام کا فیصلہ ہی منظور کیا جائے گا۔ تو اس مقصد کو پورا کرنے کے اقدام کیوں نہیں کئے جاتے۔ ہمیں یقین ہے کہ صرف وہی حل قابلِ عمل ہوسکتا ہے جو ریاستی عوام کی شان اور ان کے بہترین مفاد کے مطابق ہو۔ اور جسے ہندوستان اور پاکستان دونوں کی حمایت حاصل ہو۔ لہٰذا ایک ایسے حل کی تلاش کرنی چاہیے جو دونوں ملکوں کو منظور ہو۔

"جہاں تک ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی مجوزہ ملاقات کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ ملک کا یہ اوّلین مطالبہ ہے کہ اس معاملہ میں حتمی اور فیصلہ کن اقدام کئے جانے چاہئیں۔ اس وقت جس بات پر ہم زور دے رہے ہیں یہ ہے کہ کشمیر کے متعلق خارجی اختلافات کو ختم کیا جائے۔ اور جب یہ ختم ہو جائیں گے تو اندرونی اختلافات بھی ختم ہوسکتے ہیں۔ ہم پھر ایک بار اعلان

کرتے ہیں۔ کہ مسئلہ کشمیر کو اس طریقہ سے حل کیا جانا چاہیے، جس سے ہندوستان، پاکستان اور ریاست کے چالیس لاکھ لوگوں کے بہترین مفاد محفوظ رہیں۔ پنڈت نہرو نے ٹھیک کہا ہے کہ کشمیر کوئی جائداد نہیں ہے جو دو آدمیوں کے درمیان بانٹ دی جائے۔ ہم آپ کو وقتاً فوقتاً اس بات کی اطلاع دیتے رہیں گے اور جو کچھ بھی فیصلہ ہوگا وہ آپ کی رضامندی اور خیر سگالی کے ذریعے ہی ہوگا۔ جہاں تک معاہدہ دہلی کا تعلق ہے ہم نے اس کو حرف بہ حرف تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کے لئے ساز گار فضا کی ضرورت ہے۔ ہم نہیں جانتے ہیں کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور ہم اس پوزیشن میں بھی نہیں کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ہمیں فوری طور پر کیا کرنا چاہیے۔"

شیخ عبداللہ نے یہ بھی کہا:۔

"اخبارات، اور دیگر ایجنسیوں کے ذریعہ کہا جا رہا ہے کہ ہماری تنظیم میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ کسی وقت یہ کہا جا رہا ہے کہ ورکنگ کمیٹی میں سے صرف چار ممبر شیخ عبداللہ کی حمایت کر رہے ہیں اور باقی پندرہ ممبر اس کے مخالف ہیں۔ درحقیقت ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسی افواہیں اور شوشے مفاد پرست لوگ پھیلا رہے ہیں۔ جو نیشنل کانفرنس کی صفوں میں اختلاف کے بیج بو کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔"

یوم شہدا (۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء) کو خانیار میں شیخ عبداللہ نے دو گھنٹہ تک تقریر کی۔ یہاں بہت سے غیر ملکی جن میں مسٹر رچرڈ ڈیلیچ (جو نئی دہلی میں امریکی سفارت خانہ کا فرسٹ سکریٹری ہے) اور دیگر امریکی ڈپلومیٹ شامل ہیں، موجود تھے۔ دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ جو اعادہ اور پریشان خیالی پر مبنی تھیں شیخ عبداللہ نے کہا:۔

"میرے خیال میں کشمیر کی بہبودی کا راز ہندوستان اور پاکستان کے باہمی فیصلہ میں مضمر ہے۔ اصولی اختلاف کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کشمیر کی پوزیشن صرف ایک ہی ملک کی خیر سگالی نہیں چاہتی۔ بلکہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کی خیر سگالی کی خواہاں ہے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا ہے کہ کون سا ایسا فیصلہ کیا جائے، جو کشمیریوں کے مفادات کے پیشِ نظر باعزت ہو اور اس کے ساتھ ہی دونوں ملکوں ہندوستان اور پاکستان کو بھی منظور ہو۔ لہٰذا قدرتی طور پر وہ فیصلہ کشمیر کے چالیس لاکھ انسانوں کو کرنا ہے۔ اور وہ وہی فیصلہ کریں گے جو اُن کے مفادات کے حق میں بہتر ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ ریاست ہندوستان یا پاکستان کا دُم چھلاّ بنائی جائے۔ ایسے فیصلہ کرنے میں دنیا کی کوئی طاقت کشمیریوں کے راستے میں سدِّ راہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا کبھی نہیں ہونا چاہیئے کہ کشمیریوں کے گلے میں ایک پھندہ ڈالا جائے اور انھیں اپنی مرضی کی مخالف سمت کی طرف گھسیٹا جائے۔ کشمیریوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں بھی چاہیں چلے جائیں۔

"بنیادی حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگیاں کشمیر کو ہندوستان یا پاکستان کا دُم چھلاّ بنانے کی خاطر قربان نہیں کی ہیں بلکہ ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے مفاد کے لیئے، شہیدوں نے ہمارے لیئے یہ پیغام رکھ چھوڑا ہے ـــــ

"ہم نے اپنے فرائض نبھا لیئے ہیں اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اپنا فرض پورا کرے۔" اور وہ فرض ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ فرض یہ ہے کہ ہم کشمیریوں کے لیئے آزادی حاصل کرنے کا نصب العین اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ ہم صرف وہی راستہ منتخب کریں گے جو ہمیں آزادی، عزّت اور خوشحالی کی طرف لے جائے گا اور ہمارے مستقبل کے تحفظ

کا ضامن ہو۔ یہی وہ راستہ ہے جس کی تلاش میں آپ کے رہنما ہیں"۔

۳۱ر جولائی ۱۹۵۳ء کو گاندربل میں دیہاتیوں کے ایک بھاری مجمع میں تقریر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:۔

"یہ بات قابلِ فہم ہے کہ کشمیریوں کو بے شمار اندرونی اور خارجی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ وہ پریشانیاں یقینی طور پر بے بنیاد نہیں ہیں جب تک کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ حتمی طور پر نہیں کیا جاتا۔ یہ پریشانیاں اور تکالیف جاری رہیں گی۔ لیکن اگر ہم اس مسئلہ اور اس کے الجھاؤ کو سمجھنے کی کوشش کریں تو کافی حد تک اِن پریشانیوں کی شدت کم ہو جائے گی۔

"گزشتہ چند دنوں سے یہ پریشانی بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ چند دوست کچھ عجیب خیالات کی تشہیر کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا یہ ان کے اصلی خیالات ہیں یا محض اخبارات ہی مبالغہ آمیزی سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن جس انداز سے وہ اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اُس سے عام لوگ یہ یقین کرنے لگے ہیں کہ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے بنیادی اصولوں پر آپس میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ ان اصولوں کے مطابق عوام ہی وہ طاقت ہیں جن کا فیصلہ حاوی رہے گا۔

"......... ہندوستان اور پاکستان دونوں یہ دعوے کر رہے تھے کہ ریاست جموں و کشمیر ان کی ہے۔۔ دونوں ہمارے ہمسایہ ہیں اور ہماری سرحدوں پر واقع ہیں۔ لہٰذا یہ قدرتی امر ہے کہ ہماری بہبودی اور خوشحالی کا راز دونوں ملکوں کی خیرسگالی حاصل کرنے میں مضمر ہے۔ بصورتِ دیگر ہماری وہی حالت ہو گی جو ایک قلعہ میں محصور لوگوں کی ہوتی ہے۔ کشمیر کے لوگوں کے لئے یہ کبھی

بہتر ثابت نہیں ہوگا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان دونوں سے غیر دوستانہ تعلقات رکھیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات اگر خراب ہوں تو اس کے نتیجہ میں اوّل اور آخیر کشمیری ہی مصیبت کا شکار ہوں گے۔

"........ جب تک یہ خارجی پریشانی ختم نہیں ہوتی کشمیر کی اندرونی پریشانیاں ختم نہیں ہوں گی۔ اور وہ اندرونی مسائل حل نہیں ہو سکتے جن سے لوگوں کو دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں پناہ گزینوں کا مسئلہ، سرمایہ کی کمی اور رسل ورسائل کا مسئلہ شامل ہے۔ حکومت کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ مسلسل طور پر ایسے مسئلوں سے دوچار ہوتی رہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایک ایسا معاہدہ کیا جائے، جو ہر ایک کے لئے باعزت اور ہر ایک کے لئے قابلِ قبول ہو۔

"........ بدقسمتی سے ۱۹۴۷ء میں ہمیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کہ ہمارے لئے کون سا راستہ فائدہ مند اور ممد ثابت ہوگا۔ پاکستان نے کوشش کی تھی کہ وہ ہماری ریاست کو طاقت کے بل بوتے پر اپنے ساتھ شامل کر لے اور ہمیں اُس کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے، ہندوستان سے مدد کی درخواست کرنا پڑی۔ لیکن یہ امداد اس وقت تک نہیں دی جا سکتی تھی جب تک کہ کشمیر ہندوستان کے ساتھ کسی قسم کے آئینی رشتہ کے ذریعہ منسلک نہ ہو جائے۔ اُن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے، جن میں دستاویز الحاق پر دستخط کئے گئے ہیں۔ حکومت ہند نے یہ مناسب سمجھا کہ ریاست میں حالات معمول پر آجانے کے بعد لوگوں سے اس الحاق کی توثیق کرائی جائے۔ کیونکہ وہ حقیقت میں دلوں کے الحاق کو فوقیت دیتے تھے۔

"لیکن بدقسمتی سے چھ سال گزرنے کے بعد بھی ریاست میں حالات

معمول پر نہیں آسکے، اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جھگڑا برابر جاری ہے۔

"نیشنل کانفرنس نے دو بنیادی اُصولوں کی بنا، پر ہندوستان کے ساتھ جموں و کشمیر کے الحاق کی حمایت کی۔ یعنی دونوں میں سیکولر جمہوریت کا قیام اور ہندوستان کے رہنماؤں کی طرف سے نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو یہ یقین دلایا جائے، کہ ریاست ماسوائے، اِن تین امور (معاملات خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل) کے تمام دیگر اندرونی معاملات میں خود مختار ہو گی۔

"......... کچھ عرصہ کے بعد حکومت ہندوستان نے اِس رائے کا اظہار کیا کہ دستاویز الحاق پر دستخط ہو جانے کے بعد ریاست کی پوزیشن کی وضاحت کی جائے۔ لہٰذا کافی مباحثات کے بعد ایک معاہدہ جسے عام طور پر "معاہدہ دہلی" کہتے ہیں پیش کیا گیا لیکن ابھی اس معاہدہ پر لکھے ہوئے حروف کی سیاہی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ریاست کے اندر اور باہر ہمارے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا گیا۔ کچھ پارٹیوں نے ریاست کو ہندوستان کے ساتھ مدغم کرنے اور ریاست میں آئینِ ہند کو مکمل طور پر اطلاق پذیر کرنے کا نعرہ بلند کیا۔ ریاست کے اندر انہی اغراض کے لئے، پرجا پریشد نے جموں اور لداخ میں ایجی ٹیشن شروع کر دی۔ اور اگر ریاست کے لوگ اس ایجی ٹیشن کو ان یقین دہانیوں اور ضمانتوں کے خلاف سمجھیں جو الحاق کی سنگِ بنیاد ہیں تو وہ قابلِ ملامت نہیں۔

"......... جہاں تک الحاق کے سوال کا تعلق ہے۔ ریاست کے مسلمانوں کو اس کا فیصلہ کرنا ہے۔ ہندوؤں نے پہلے ہی اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ کیونکہ پاکستان کی مذہبی حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

"ہم اب تک ریاست کے مسلمانوں کو یقین دلا رہے ہیں۔ کہ اگر ریاست

کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہو جائے، تو اُنھیں کوئی خوف نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ جن شرائط پر ہم نے الحاق کیا ہے وہ اُن باہمی مباحثات کا نتیجہ ہیں جو تقسیم سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہوئے ہیں۔ یعنی وہ یہ ہیں کہ ہم نے ہندوستان کے حوالے صرف تین امور، دفاع، معاملات خارجیہ اور رسل و رسائل کئے ہیں۔ باقی تمام دیگر امور میں ہم مکمل طور پر آزاد ہیں۔

"لیکن پچھلے برسوں کے واقعات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ چند بارسوخ پارٹیوں اور اخبارات نے اپنا نقطۂ نظر بدل دیا ہے۔ اور وہ ہمیں وہ ضمانتیں دینے کے لئے تیار نہیں جو حکومت ہندوستان نے ۱۹۴۷ء میں ہمیں دی تھیں۔ اِن حالات میں یہ کہنا کہ ہندوستان کی اکثریت ہماری پشت پناہ ہے درست نہیں۔ کیونکہ کسی شخص یا پارٹی نے آج تک اُس ایجی ٹیشن کے اغراض و مقاصد کی مخالفت نہیں کی جو پرجا پریشد نے شروع کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ ایجی ٹیشن قبل از وقت شروع کی گئی ہے۔

"........... ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا آبادی کے تمام حصوں کو اس آئینی رشتے سے فائدہ پہنچا ہے یا نہیں۔ میرے ساتھیوں اور میں نے کشمیری مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے سے نہ صرف ہمارے حقوق اور مراعات کی حفاظت ہوگی بلکہ ہندوستان ان کے ساتھ بہترین سلوک بھی کرے گا۔ لیکن گزشتہ چھ سال کے دوران میں کشمیری مسلمانوں کے حقوق کی "حفاظت" کیسے کی گئی وہ محکمہ پوسٹ اور ٹیلیگراف اور دفاعی فوجوں میں ان کو دی گئی نمائندگی سے ظاہر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی نمائندگی میں اضافہ ہونے کی بجائے یہ کافی حد تک کم ہو گئی ہے۔ میں انھیں ہندوستانیوں کے نیک ارادوں کا یقین کیسے دلا سکتا ہوں جب ایک

تعلیم یافتہ کشمیری مسلم نوجوان اپنے غیر مسلم بھائیوں کو ہندوستان میں اچھے عہدوں پر فائز دیکھتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اُسے حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھ سے پوچھے کہ ہندوستان میں اُس کے لئے نوکریوں کے دروازے کیوں بند ہیں۔

"لیکن جب میں ہندوستان میں فرقہ پرست قوتوں کے پھیلنے کا ذکر کرتا ہوں تو میرے چند ناسمجھ دوست اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہمارے لئے واحد کھلا راستہ صرف پاکستان کا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ ہم ایک فرقہ پرستی کو دوسری فرقہ پرستی پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

"میں حلفیہ حاضرین جلسہ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری جماعت ایک ایسے حل کی تلاش میں ہے جس میں تمہاری خوشحالی اور بہبودی کا راز مضمر ہے" (یعنی خود مختار کشمیر)

۷ اگست ۱۹۵۳ء کو مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:۔

"ہمارے ملک کو جن مسائل کا سامنا ہے۔ اُن کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم جذبات کے زیرِ اثر ہونے کی بجائے اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھیں۔ اب تک میں نے اپنی آراء اور مشوروں کا اظہار صرف نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کی میٹنگوں تک محدود رکھا ہے۔ اور عام جلسوں میں اس امر پر تقریر کرنے سے باز رہا ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے تفرقہ انگیز عناصر جان بوجھ کر غلط افواہیں پھیلاتے رہے ہیں۔ اور لوگوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں نے اپنا نقطۂ نظر عام لوگوں تک پہنچانا ضروری سمجھا۔ اور آنے والی عید مبارک پر میں اپنی تقریر میں ان مسائل پر کافی روشنی ڈالوں گا۔ لہٰذا میں آپ سے بھی کہوں گا کہ آپ صبر کا دامن تھام لیں اور تقریر کو پوری توجہ کے ساتھ

سُنیں ۔"

شیخ عبداللہ نے اِس بات کو دُہرایا کہ کشمیر میں قومی تحریک کا نصب العین غلامی کی زنجیروں اور اُس کے بُرے نتائج سے ملک کو آزاد کرانا تھا۔ اور جب یہ تحریک شروع ہوئی تھی۔ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ اُس نے کہا:۔

"ریاست کے مشکلات کو دور کرنے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کو ایسا حل تلاش کرنا چاہیئے، جو اِن تین ممالک کے لیئے باعزت اور قابلِ قبول ہو۔"

ریاست کے مستقبل کے سوال کو زیرِ بحث لاتے ہوئے، شیخ عبداللہ نے کہا کہ ظاہراطور پر ہندوستان، پاکستان اور انجمن اقوام متحدہ نے ریاست کے لوگوں کے اِس حق کو اصولی طور پر تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ آپ کریں گے۔ لیکن جب اس کو روبہ عمل لانے کا سوال آن پڑا تو ہم سے یہ کہا گیا کہ ہمیں صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ریاست کو ہندوستان کے ساتھ مدغم کرنا ہے یا پاکستان کے ساتھ۔

شیخ عبداللہ نے مزید کہا:۔

"لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ اگر ہمیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق ہے تو ہمیں وہ راستہ جو ہم منتخب کریں اختیار کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا پسند کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِس ریاست کے لوگوں کی اکثریت دونوں ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہو۔ اگر صرف لوگوں کی مرضی کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ہے۔ تو انھیں اپنی پسند کا راستہ منتخب کرنے

میں کوئی بات حائل نہیں ہونی چاہیئے۔ یقیناً یہ ضروری ہے کہ ہر ایک شخص چاہے وہ ہندو ہو، یا مسلمان، سکھ ہو یا بدھ، بغیر کسی دباؤ یا خوف کے اپنی رائے کا اظہار کرنے میں آزاد ہونا چاہیئے۔ ہم لاتعداد بار انجمن اقوام متحدہ سے کہتے رہے ہیں کہ یہ جھگڑا در حقیقت ہمارا اپنا جھگڑا ہے اور یہ ہماری مرضی کے مطابق حل ہو جانا چاہیئے۔"

دستاویز الحاق اور معاہدہ دہلی کے متعلق شیخ عبداللہ نے کہا کہ نیشنل کانفرنس نے انہیں توڑنے یا اپنے وعدے سے مکر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن اگر ان کے خلاف کسی جگہ ایک منظم محاذ قائم کیا گیا تھا تو یہ ہندوستان تھا۔ جہاں یہ شور اُٹھایا گیا کہ آئین ہند میں کشمیر کو جو خاص پوزیشن حاصل ہے وہ فسخ کی جائے۔ اور ریاست میں مکمل طور پر آئین ہند کا اطلاق کیا جائے۔ ہندوستان میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ پوزیشن کشمیری مسلمانوں کو منظور نہیں تو وہ ہندوستان چھوڑ کر مع اپنے مال و اسباب کے پاکستان جائیں۔ اگر ذمہ دار عناصر کی طرف سے اس قسم کا اظہارِ خیال کیا جائے تو کیا یہ اُن معاہدات سے مکر جانے کے مترادف نہیں۔ حال ہی میں ہندوستان کی ایک سیاسی پارٹی کے لیڈر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ کشمیر کی موجودہ وزارت کو برطرف کیا جائے۔ اور اس کے بدلے وہاں پر پریزیڈنٹ کی حکومت قائم کی جائے۔ اور آئین ہند کے آرٹیکل ۳۷۰ کو قلم زد کیا جائے۔ اُس نے کہا کہ کیا اس قسم کا مطالبہ اُن معاہدات کی خلاف ورزی نہیں تھی۔

ہمارے اختلافات

شیخ عبداللہ کی مندرجہ بالا تقریروں سے ظاہر ہے کہ وہ ہند اور کشمیر کے

تعلقات توڑنے اور اپنی ذاتی ڈکٹیٹر شپ کے دائرے میں مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈنے پر ثابت قدم تھا۔ اسے وہ "کشمیریوں کی خواہشات" کی درست ترجمانی قرار دیتا تھا۔ وہ نیشنل کانفرنس میں، آئین ساز اسمبلی میں اور کابینہ میں اپنے ساتھیوں کی اکثریت کے اصولوں اور پالیسیوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ اُسکی نئی لائن اور "مسئلہ کشمیر کے حل" کے مختلف غیر ملکی اقدام بیک وقت شروع کئے گئے۔ ہم اس جھگڑے کے بارہ میں شیخ عبداللہ کے حامی مسٹر افضل بیگ کے رویہ کی نسبت جو دشنام آمیزی اور فرقہ وارانہ رنگت سے بھرپور تھا ذکر نہیں کریں گے۔ ہم نیشنل کانفرنس کے اُن اُصولوں اور پالیسیوں کا حوالہ دیں گے جو شیخ عبداللہ کے ساتھیوں، بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق نے لوگوں کے سامنے صاف گوئی سے بیان کیں۔ جنھیں شیخ عبداللہ نے کھلے بندوں نظر انداز کر دیا۔

۲۰ جولائی ۱۹۵۳ء کو بڈگام میں ایک کنونشن کے موقعہ پر لوگوں کے ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے خواجہ غلام محمد صادق پریذیڈنٹ آئین ساز اسمبلی نے کہا:۔

"اگر کشمیر پاکستان کا ایک حصہ بن گیا تو نیشنل کانفرنس کا وہ نصب العین جسے ہم "نیا کشمیر" کہتے ہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانا ممکن نہیں۔ کشمیر کی بہبودی، موجودہ بنیادوں پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے میں ہے دفاع، رسل و رسائل اور معاملات خارجیہ کی نگہداشت کرنا ہندوستان کی ذمہ داری ہوگی۔ اور دیگر اندرونی معاملات میں کشمیر خود مختار ہوگا۔ "خود مختار" کشمیر کا خیال طفلانہ ہے۔ کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے۔ جو اس کے لئے بیرونی خطرات پیدا کر سکتی ہے۔ اس لئے یہ بین الاقوامی سازشوں کے اکھاڑے

میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کشمیر کے لوگوں کو چوکنا رہنا چاہیئے۔ اور انہیں سامراجی سازشوں کے ذریعہ غلط راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کشمیر پاکستان کا حصّہ ہوتا تو نیشنل کانفرنس کے نصب العین "نیا کشمیر" کو پھلنے پھولنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ایسا الحاق کشمیر کی سیاسی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس وقت پاکستان میں صورت حال یوں ہے۔ وہاں مختلف قومی اور ترقی پسند پارٹیوں پر دباؤ ڈالا جاتا ہے، رائے عامہ پر تعزیر زباں بندی ہے۔ اور خاں عبدالغفار خاں جیسے بلند مرتبہ محب وطن کے ساتھ نہایت ہی نامناسب سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اور ایسی ہی بہت سی باتیں کشمیریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے، کافی ہونی چاہیئیں۔"

بخشی غلام محمد نے، جو اُس وقت نائب وزیر اعظم تھے۔ اسے ایک نزاع عامہ بننے اور ہر ممکن طریقہ سے شیخ عبداللہ کو اِس خودکشی کے راستے پر گامزن ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ آخر کار وہ کھلے بندوں از سرِ نو نیشنل کانفرنس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کرنے پر مجبور ہوا۔ ۲۰ رجولائی ۱۹۵۳ء کو شوپیان میں ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے، بخشی صاحب نے کہا:-

"نیشنل کانفرنس کی پالیسی ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وہ گاندھی جی کے حق وصداقت اور برادرانہ اخوت کے پیغام کو آگے بڑھائے۔ ہم حسب دستور اپنے اصولوں پر عمل پیرا ہوں گے اور کبھی ان سے منہ نہیں موڑیں گے۔"

بخشی صاحب نے مزید کہا:-

"کشمیر میں فرقہ پرستی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ ہم سکولرازم کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے "نیا کشمیر" کے پروگرام کو عملی جامہ پہنائینگے۔

ہندوستان اور کشمیر کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے بخشی صاحب نے مزید کہا:۔

"ہندوستان اور کشمیر کے تعلقات دستاویز الحاق اور معاہدہ دہلی پر مبنی ہیں۔ ہم ہندوستان میں کشمیر کو مدغم کرنے کے خلاف ہیں۔ اور ہم ہمیشہ اس تحریک کی شدت سے مخالفت کریں گے۔ ہم ہر قیمت پر کشمیریوں کی حاصل کی ہوئی آزادی کی حفاظت کریں گے۔ ہم دنیا کی کسی طاقت کو اپنی آزادی پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں دیں گے"۔

۳۰ جولائی ۱۹۵۳ء کو لگام کے ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے بخشی صاحب نے کہا:۔

"کوئی نعرہ یا دھمکی، چاہے وہ کسی بھی حلقہ کی طرف سے دی جائے جس کا مطلب ہندوستان اور کشمیر کے تعلقات کو منتشر کر کے ہمیں کسی دوسرے الحاق میں منسلک کر کے گمراہ کرنا ہے۔ یقینی طور پر ہمیں اقتصادی دیوالہ کی طرف لے جائے، اور سیاسی غلامی میں مبتلا کرے گی۔

"اس نازک مرحلہ پر چند ایسی قوتیں موجود ہیں جو ہماری صفوں میں انتشار یا تفرقہ پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ ریاست جموں و کشمیر کے موجودہ خارجی تعلقات کے بارہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہر محب وطن کا چاہے وہ نیشنل کانفرنس کے اندر ہو یا باہر، اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ ریاست کی یکجہتی اور سالمیت کو برقرار رکھے۔ اس یکجہتی کو ریاست کی مختلف قومیتوں اور آئینی یونٹوں میں رضاکارانہ طور پر، اس رشتہ کے ذریعے ترقی دینا ہے جو ایک دوسرے کی محبت اور عزت پر مبنی ہو، ریاست کا الحاق ایک واحد یونٹ کی حیثیت سے ہندوستان کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ رشتہ دستاویز الحاق

اور معاہدہ دہلی پر مبنی ہے۔ ان کی توثیق ہند پارلیمنٹ اور ریاست جموں و کشمیر کی آئین ساز اسمبلی نے کی ہے۔ ان کے مطابق ہماری ریاست کو ایک خاص حیثیت حاصل ہو چکی ہے یعنی ہمیں اپنی ریاست کے اندرونی معاملات سلجھانے میں مکمل آزادی ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ اس معاہدہ کے خلاف ریاست کے اندر اور باہر آوازیں اُٹھائی گئیں۔ لیکن مجھے شک و شبہ نہیں کہ اس معاہدہ کو ہندوستان کے لوگوں کی ایک بڑی اکثریت کی پوری پوری حمایت حاصل ہے۔ نیشنل کانفرنس میں ہم لوگ بھی اسی پر کاربند ہیں اور ہم میں سے کوئی ایک بھی اس پوزیشن سے منحرف ہونے کا خیال تک دل میں نہیں لاتا ہے۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کا ہمارا فیصلہ محض کسی جذبے یا غلط خواہش کے زیر اثر نہیں کیا گیا تھا۔ ہماری تحریک کا نصب العین، اس کا غیر مذہبی کردار، اس کا اقتصادی اور سماجی پروگرام جاگیردارانہ نظام اور سامراج کے خلاف اس کی روایات ایسے عناصر ہیں جنھوں نے ہمیں اپنی تقدیر ہندوستان کے ساتھ وابستہ کرنے میں رہنمائی کی تا کہ ریاست جموں و کشمیر کے تمام لوگوں کو آزاد کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے۔"

"فرقہ وارانہ بنیادوں پر، اور باقی ریاست سے کسی چھوٹی اکائی (یونٹ) کی علیحدگی یا سہولت کی بنا پر ریاست کی مزید تقسیم، بیرونی مداخلت، انتشار اور اقتصادی اور سماجی تباہی کا راستہ کھول دے گی۔ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ہمیں صفائی سے ہر بات پر غور کرنا چاہیے اور دلکش نعروں اور جذباتی اپیلوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہم نے رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو ہندوستان کا ایک حصہ بنا یا ہے اُس نے بھی ہماری دوستی کا ہاتھ بڑی فراخ دلی سے تھام لیا ہے اُس نے

ضرورت کے وقت ہماری امداد کی ہے اور اب بھی برابر کر رہا ہے۔ جب سے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی جو اس کی درستی میں ہمارے اعتماد کو متزلزل کر سکتی۔ ہم جانتے ہیں کہ اس فیصلہ میں لوگوں کی ایک بھاری اکثریت ہمارے ساتھ رہی ہے اور اب بھی برابر ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ لوگ، ہر اُس مخالفت کے باوجود جو ریاست کے اندر یا باہر کسی بھی حلقے کی طرف سے کی جائے، اس فیصلہ کی پوری پوری حمایت کرینگے۔"

کشمیر میں سامراجی سازش

باوجود اس امر کے کہ نیشنل کانفرنس کی تنظیم، ریاست کی آئین ساز اسمبلی، اور شیخ عبداللہ کی کابینہ سے بھاری اکثریت اس کے خلاف تھی۔ شیخ عبداللہ اور اُس کے چند ساتھیوں نے، ریاست جموں و کشمیر کو مزید تقسیم کرنے کی بنیادوں پر مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی کھلم کھلا حمایت کی۔ اس کے مطابق اس حل میں شیخ عبداللہ کے ماتحت وادی کشمیر کی "خود مختاری" بھی شامل تھی۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جولائی ۱۹۵۳ء میں کراچی میں نہرو۔ محمد علی بات چیت کے دوران، پاکستان کے وزیر اعظم نے ایک ایسے حل کو تسلیم کرنے کی طرف صاف اشارہ کیا تھا۔ بہر کیف اس حل کی حمایت بیرونی حلقوں سے کی گئی۔ جیسا کہ اُس وقت بیرونی اخبارات کی رائے زنی سے ظاہر ہے۔

نیویارک ٹائمز کے نمائندہ خصوصی رابرٹ ٹرم بل نے اپنے ایک مراسلہ میں جو اُس کے اخبار میں ۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو شائع ہوا تھا، بین الاقوامی پریس کے لیے ایک لائحہ فکر پیش کیا۔ اِس اخبار میں ریاست کا ایک نقشہ بھی شائع ہوا تھا۔ جس میں اس مجوزہ تقسیم کو تین علاقائی حصوں میں دکھایا گیا ہے۔ اس

اسکیم کے مطابق شمال مغربی علاقہ پاکستان اور جموں اور لداخ کا کافی علاقہ ہندوستان میں شامل ہوتا تھا۔ لیکن وادیٔ کشمیر کو ایک "خود مختار" ریاست بننا تھا۔ ٹرم بل نے یہ بھی لکھا تھا کہ امریکہ کا سکریٹری آف سٹیٹ مسٹر جان فاسٹر ڈلس بھی اس قسم کے حل کی حمایت کرتا ہے۔ اُس وقت کشمیر کا ایک وفد نئی دہلی میں مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر بات چیت کر رہا تھا۔ ٹرم بل نے وفد کے ممبران سے ملنے کی کافی کوشش کی تاکہ وہ اپنے مراسلہ کے بارہ میں اُن کا ردعمل معلوم کرے۔ اُس نے ۷ جولائی کو ریاست کے ایک افسر کو بتایا کہ اُس سکیم کو جو اُس نے مراسلہ کے ساتھ بھیجی ہے مسٹر ڈلس کی حمایت بھی حاصل ہے اور اُس نے اس مسئلہ پر دہلی اور کراچی میں بھی بات چھیڑی ہے۔

۶ جولائی کے اداریہ میں نیو یارک ٹائمز لکھتا ہے۔

"اس اخبار کے نام ایک مراسلے میں نئی دہلی سے رابرٹ ٹرم بل لکھتا ہے۔ کہ معلوم ہوا ہے کہ تصفیہ کشمیر کے پریشان کن مسئلہ پر ہندوستان اور پاکستان میں سمجھوتہ ہونے والا ہے جیسی کہ اطلاع دی گئی ہے کہ اس پلان کے ذریعے یہ متعین کرنے کے لئے کہ کشمیر ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرے گا۔ رائے شماری کا خیال ترک کیا جائے گا۔ دراصل جموں و کشمیر کی ریاست تقسیم کی جائے گی۔ مشرقی جموں کا علاقہ جہاں (ہندوؤں) کی اکثریت ہے مع لداخ کے جس کی سرحدیں تبت سے ملتی ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ شامل ہوگا۔ مغربی کشمیر کا علاقہ جسے اب "آزاد کشمیر" کہا جاتا ہے پاکستان کے ساتھ شامل ہوگا۔ وادیٔ کشمیر جو ریاست کا سب سے زیادہ زرخیز اور دولتمند علاقہ ہے ہندوستان اور پاکستان کے تحفظ میں ایک خود مختار حیثیت اختیار کرے گا۔"

۱۲؍ جولائی کو بھی نیو یارک ٹائمز نے ریاست کی مجوزہ تقسیم اور وادیٔ کشمیر میں ایک "خود مختار" ریاست قائم کرنے کے حق رائے زنی کی۔ ٹرم بل کے ۵؍ جولائی والے مراسلہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ شیخ عبداللہ "خود مختاری" کے دامِ فریب میں آگیا تھا۔

"بتایا جاتا ہے کہ شیخ عبداللہ ریاست کی "خود مختارانہ" حیثیت کی طرف زیادہ راغب ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے اس کے بہت سے سیاسی اور مالی مسئلے حل ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنی گھٹتی ہوئی حمایت کو از سر نو حاصل کر سکے گا۔"

یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ وادیٔ کشمیر کو "خود مختار" بنانے کی جو تحریک شیخ عبداللہ نے جاری کی۔ اُسے بیرونی طاقتوں کی "چشم پوشی اور در پردہ حمایت" حاصل تھی۔ اور اس سے ریاست کے حصے بخرے ہو جاتے تھے۔ اپنے عہدے کے آخری مہینے میں شیخ عبداللہ نے غیر ملکی ڈپلومیٹوں، جرنلسٹوں اور دیگر سیاسی ایجنٹوں سے گہرے تعلقات قائم کئے۔ اُس نے رچرڈ ایس لیچ جو نئی دہلی میں امریکی سفارت خانے کا پہلا سکریٹری ہے۔ کے ساتھ کافی وقت بات چیت کرنے میں صرف کیا۔ مسٹر لیچ ۱۴؍ جولائی اور بہت سے دیگر مواقع پر شیخ عبداللہ سے ملا۔ اس سے قبل ہی اُس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ذاتی طور پر مسٹر لیچ شیخ عبداللہ کے قریبی حلقوں میں "خود مختار" کشمیر کی حمایت کرتا تھا۔ اگست کے ابتدائی دنوں میں شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کے موقع پر ریاست میں مسٹر لیچ کی پُر اسرار نقل و حرکت سے نہ صرف اُس ڈپلومیٹ بلکہ اُسی قسم کے دوسرے لوگوں کے طور طریقہ کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ مسز اڈمز جو امریکہ کے ایک اور ڈپلومیٹ کی بیوی

ہے ۲۲ جولائی کو شیخ عبد اللہ سے ملی۔ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ جن میں مس فلاور مس ایچ "لائف اور ٹائم" کے مسٹر اور مسز جے۔ ڈی براؤن، ڈاکٹر اور مسز برگ، اور مسٹر اور مسز رابرٹ ایچ بالڈون اور کیلے فورنیا گروپ کے پروفیسر اور طلباء بھی شامل ہیں، شیخ عبد اللہ سے ملے۔ جیو۔ براؤن دو دفعہ سرینگر سے کراچی گیا۔ اسکے آخری دفعہ کراچی جانے کے موقع پر شیخ عبد اللہ نے اُسے درا پہ ہامہ شوٹنگ لاج میں لنچ پر مدعو کیا۔ جہاں صرف شیخ عبد اللہ کے چند قریبی ساتھی موجود تھے یہ بات یقینی ہے کہ اُس نے جیو۔ براؤن کے ذریعے کچھ پیغامات کراچی بھیجے کیونکہ انہی دنوں وہاں نہرو۔ علی بات چیت ہو رہی تھی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم ریاست کے اندر موجودہ ایجنٹوں ڈاکٹر ایڈمنڈز، مسز ہلین سٹاورڈیز، سارجنٹ جان ڈین اور مسٹر ہیگیسن کے ساتھ شیخ عبد اللہ کی ملاقاتوں کا بھی تذکرہ کریں۔

۵ اگست کو مسٹر اور مسز بالڈون کے ساتھ شیخ عبد اللہ کی ملاقات نے ان لوگوں کے دلوں میں بڑے شبہات پیدا کیے۔ جو بالڈونوں کے متعلق کچھ جانتے تھے۔ مسٹر بالڈون امریکہ کا ایک بہت بڑا خداوند انشورنس ہے اور ہندوستان میں امریکہ کے سفیر مسٹر ایلن کا گہرا دوست ہے۔ مسٹر ایلن ہی نے بالڈونوں کا تعارف شیخ عبد اللہ سے کرایا تھا۔ ان غیر ملکی لوگوں کے ساتھ شیخ عبد اللہ کا میل جول، اس کی تقریروں کا رُخ، نیو یارک ٹائمز کی نسبت غیر ملکی پریس کا رد عمل، پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر محمد علی کے پُر امید بیانات کہ مسئلہ کشمیر کا حل نظر آنے لگا ہے۔ ریاست کے حصے بخرے کیے جانے کی ہمہ وقت کوششوں کی طرف ایک نمایاں اشارہ ہے۔ اس بارے میں صرف انجمن اقوام متحدہ ہی خاموش رہی۔ لیکن اس میں اینگلو امریکی بلاک کا غلبہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے فوجی اور جنگی لحاظ سے اہم علاقہ میں اُن کا آخری مقصد ایک جیبیا

ہے۔ اگرچہ ان کی مداخلت کے حربے جداگانہ رہے ہیں۔

چیسٹر بولز کا اقبال

ہندوستان میں امریکہ کے سفیر مسٹر چیسٹر بولز نے اپنی کتاب امبسیڈر کی رپورٹ میں کشمیر کے سوال پر امریکی پالیسی کا ذکر کیا ہے۔ یہ سفیر جو ہندوستان سے دوستی کا دم بھرتا رہا ہے صاف صاف کہتا ہے کہ ریاست کی تقسیم اور وادیٔ کشمیر میں استصواب رائے، کشمیر کے سوال کا سب سے بہتر حل ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں کشمیر میں امریکی فوجیوں کی بدعنوانیوں کو بھی تسلیم کیا ہے۔ ہم اس کتاب کا ایک طویل اقتباس دے رہے ہیں جس سے پڑھنے والے خود نتیجے اخذ کر سکیں گے "میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر حفاظتی کونسل اور خاص طور سے امریکہ اور انگلستان نے ذرا سی لچک دکھائی ہوتی تو ۱۹۵۲ء کے موسم سرما میں کشمیر کا مسئلہ حل ہو گیا ہوتا۔ اُس زمانے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آزاد کشمیر کا علاقہ جس پر پاکستانی فوجوں کا قبضہ تھا، اگر پاکستان کو دے دیا گیا ہوتا اور جموں اور لداخ کا علاقہ جہاں کہ ہندو اور بدھ کی آبادی زیادہ ہے ہندوستان کو دے دیا گیا ہوتا تو شاید استصواب رائے، صرف وادیٔ کشمیر تک محدود رہتا، لیکن بدقسمتی سے قانونی مشیروں نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور وہ سختی سے اس چیز پر قائم رہے کہ گفتگو کے وقت پوری کشمیر کی ریاست میں استصواب رائے، کا مسئلہ پیش رہے۔ جو حفاظتی کونسل نے ان کے سامنے رکھا تھا اور جس کے متعلق یہ خیال تھا کہ اس کے ذریعہ سے کوئی سمجھوتہ ہو سکے گا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان دونوں سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ بڑھتا رہا۔ حالانکہ یہ بتانا مشکل ہے کہ

اس تحریک میں کتنی جان تھی، بہت سی سیاسی چالوں کے بعد کشمیر کی آزادی کا مسئلہ میرے ہندوستان سے واپس آنے کے بعد ۱۹۵۳ء کے موسم گرما میں شدت سے سامنے آیا۔

"کشمیر کا سربرآوردہ لیڈر شیخ عبداللہ جس نے قبائلیوں کے حملے سے کشمیر کو بچانے کا سب سے زیادہ کام کیا تھا اور جو ۱۹۳۰ء سے کشمیر کی عوامی تحریکِ آزادی کی قیادت کر رہا تھا وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے خلاف الزام یہ تھا کہ وہ ایک آزاد کشمیر کے لئے سازش کر رہا ہے۔ ان واقعات سے ہمیں اور ہندوستانی دونوں کو ایک سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ۱۹۵۲ء کے موسمِ خزاں میں جب میں کشمیر میں تھا تو اس وقت جنگ بندی لائن پر جو افسر تھے ان میں دو تہائی امریکن تھے اور ان افسروں میں سے سب کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے سمجھداری سے کام لیا۔ آخیری ثالث جو اقوام متحدہ نے مقرر کیا تھا وہ بھی ایک سربرآوردہ امریکی تھا جس کا نام فرینک گراہم ہے۔ انجمن اقوام متحدہ کے فیصلے کے مطابق استصواب رائے کرانے کے لئے، جو ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوا تھا وہ بھی امریکن تھا جس کا نام ایڈمرل چیسٹر نمٹس ہے۔ ان لوگوں کی قابلیت اور سمجھداری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دوستانہ جذبات کے حامل بھی تھے لیکن اس کے باوجود کشمیری سوال کا حل ایک قسم کا امریکی مسئلہ بن گیا۔ ان حالات میں جب کہ دونوں طرف سے جذبات برانگیختہ ہو چکے تھے ہم صرف مسئلہ کو حل کرنے میں ناکامیاب نہیں رہے ہیں بلکہ اس ناکامیابی کے نتیجے کے طور پر ہم پر بہت کچھ تنقید بھی کی گئی ہے۔"